مواعظِ ثلٰثہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

راحت القلوب

ملتِ ابراہیم

طریق القلندر
مع رسالہ
قصد السبیل

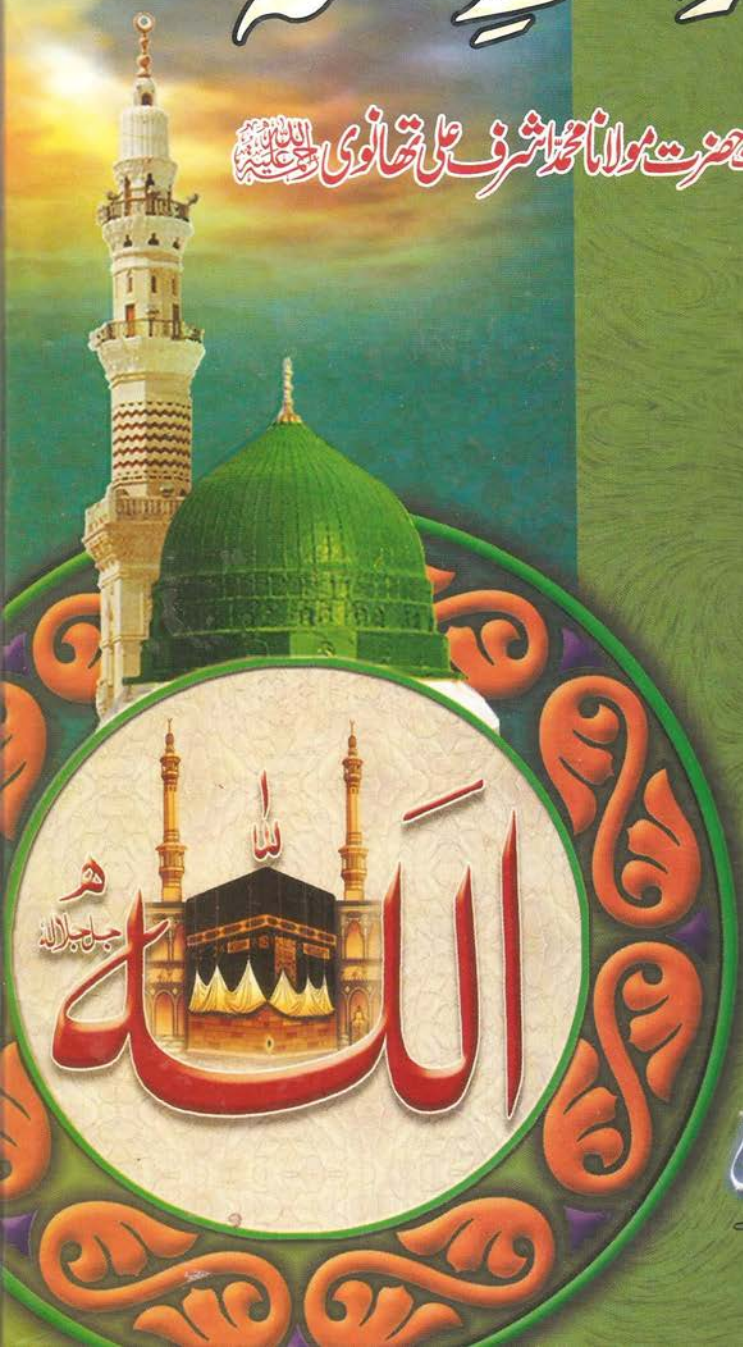

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمّٰی بہ

طریق القلندر ـــ کحریق السمندر

منجملہ ارشادات

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

ناشر

کتب خانہ مظہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

طریق القلندر ۔ کحریق السمندر

اَیْنَ	کہاں ہوا	درگاہ قلندر صاحب پانی پت
مَتٰی	کب ہوا	شب شنبہ ۲۵ صفر ۱۳۳۷ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۱۸ء
کَمْ	کتنی دیر ہوا	۸ - ۳۲ تا ۱۱ - ۳۰ کل ۲ گھنٹہ ۴۰ منٹ
کَیْفَ	کس طرح ہوا	چوکی پر کھڑے ہو کر
لِمَ	کیوں ہوا	اہل شہر کی درخواست پر
مَاذَا	کیا مضمون تھا	طریق قلندری جو تصوف کا ایک مقبول طریق ہے اسکا صحیح مفہوم اور اسکے متعلق عام غلطی کا ازالہ
مِنْ اَیِّ نَشَاۃٍ	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	اہل تصوّف کو
مَنْ ضَبَطَ	کس نے ضبط کیا	مولوی حکیم محمد مصطفےٰ صاحب اور خواجہ صاحب مگر بالقصد خواجہ صاحب وقت تبیض دونوں مسودے پیش نظر تھے۔
اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	سامعین کی تعداد	تخمیناً چار ہزار ۴۰۰۰
اَلْاَشْتَاتُ	متفرقات	احقر عزیز الحسن نہایت محجوب ہے کہ تقریباً ۱۴ سال

کے بعد احقر ۴ ماہ کی رخصت لے کر حاضر خانقاہ ہے یہ وعظ بہ فیض حضرت اقدس صاف ہو کر قابل اشاعت ہوا۔ اس سے قبل اتنی طویل فرصت میسّر ہی نہ آئی اس وعظ کا احباب کو

ؔ اس ترکیب ایمائیں مقصود تشبیہہ دینا ہے طریق کو یعنی عشق کو نار کیساتھ اور قلندر کو یعنی عاشق کو سمندر کے ساتھ کہ آتشی جانور ہے اور نار اسکی غذا ہے اسی طرح عشق غذا عاشق کی ہے۔

بیحد اشتیاق اور اصرار تھا۔ الحمد للہ کہ وہ پورا ہوا یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ وعظ صرف اپنی حقیقت کے ہی لحاظ سے قلندرانہ شان نہیں رکھتا بلکہ جس ہیئت سے بیان کیا گیا جس کیفیت سے سنا گیا اور جس صورت سے صاف ہوا وہ قلندرانہ تھی چنانچہ صاف ہونے کی تو یہ صورت ہوئی کہ ۱۴ برس میں طویل طویل وقفات کے بعد اس کی تکمیل ہوئی اور بیان کے وقت حضرت واعظ کی یہ ہیئت تھی کہ ایک موٹا دیہاتی لٹھ سر سے اونچا ہاتھ میں (کیونکہ عین وقت پر کوئی ہلکا عصا مل نہ سکا) کمر بند گھٹنوں کے نیچے لٹکا ہوا عمامہ کے پیچ اِدھر اُدھر ڈھلے ہوئے اچکن کے بٹن اور بند کھلے ہوئے لیکن دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ اس وارفتہ حالی میں بھی حضرت پر ایک عجیب شان دلربائی برس رہی تھی اور ہزار حسن اس ادا پر قربان ہو رہے تھے بس اس شعر کا پورا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا ؎

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید ۔۔۔ ببیں ایں بے سروساماں چہ ساماں کردہ می آید

سامعین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہو رہا تھا ع

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جب قریب اختتام حضرت نے یہ فرمایا کہ میں اب صرف پانچ منٹ اور بیان کروں گا تو لوگ بزبانِ حال یہ کہہ رہے تھے (بقول احقر) ؎

دلربا پہلو سے اُٹھ کر اب جدا ہونے کو ہے ۔۔۔ کیا غضب ہے کیا قیامت ہے یہ کیا ہونے کو ہے

آج تو جی بھر کے پی لینے دے اے ساقی مجھے ۔۔۔ جان ہی جاتی رہے گی اور کیا ہونے کو ہے

اور بوقت رخصت یہ ؎

کرتے جاؤ آرزو پوری کسی مشتاق کی ۔۔۔ ایک ذرا ٹھہرو کوئی تم پر فدا ہونے کو ہے

؎ شوقِ رفتاری کا اپنی دیکھ لو مڑ کر اثر

ساتھ ساتھ اُٹھ کر رواں ہر نقش پا ہونے کو ہے

صوفیوں پر تو وجد کی کیفیت طاری تھی، اللہ تعالیٰ حضرت واعظ کو مدت مدید تک

بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھے اور ممدوح کے فیوض و برکات کو تا قیامت جاری رکھے۔ ورحم اللہ عبداً قال آمینا۔ آخر میں عرض ہے کہ واللہ یہ محض حضرت کی دعا کی برکت ہے کہ اس قدر دشوار کام مجھ جیسے سہل انگار اور لاابالی شخص سے لیا گیا جس کو ۱۴ برس تک میں نہ کر سکا یہ زمانہ رخصت بھی یوں ہی ختم ہو گیا تھا صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا جبکہ حضرت کی خاص توجہ ہوئی پھر تو یہ حال تھا کہ دن رات ایک کر دیئے اور الحمد للہ کہ خانقاہ چھوڑنے کے صرف دو دن قبل وعظ ختم ہو گیا اور آج یہ تمہید بھی ختم ہوئی اور کل یہاں سے بصد حسرت و یاس روانہ ہو جاؤں گا ؎

دیکھ لیں سب قوت بازوئے دوست
مجھ سے سرکش پر ہوا قابو ئے دوست

والسلام

جمعہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

؎ افسوس حضرت رحمۃ اللہ علیہ تواب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ البتہ آپ کے فیوض و برکات آپ کے مواعظ اور تصنیفات کے ذریعہ جاری ہیں اور انشاء اللہ جاری رہیں گے۔

۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

(اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہو گی اور اللہ تعالیٰ سے ان کو محبت ہو گی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر، جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرما دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں بڑے علم والے ہیں تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی

۱۴۳

پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔)

جن آیتوں کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں ہر چند کہ مضامین متعدد ہیں مگر باوجود تعدد کے غیر مربوط نہیں بلکہ ان مضامین میں باہم ارتباط ہے اور ارتباط بھی ایسا کہ تابعیت اور متبوعیت یا اصالت اور غیریت کا کیا معنی کہ ان میں بعض اجزا اصل ہیں اور بعض فروع و توابع یا یوں کہئے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض متمم اور مکمل یا یوں کہئے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض علامات و آثار بہرحال جس عنوان سے چاہے تعبیر کیجئے۔

حاصل یہ ہے کہ بعض مضامین اصل ہیں اور بعض تابع اب اس اصل کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جاوے اور تابع کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جاوے۔ لیکن یہ خوب سمجھ لیا جاوے کہ تابع کے یہ معنی نہیں کہ وہ مقصود نہیں بلکہ مقصود وہ بھی ہیں مگر مقصود مقصود میں فرق ہوتا ہے یعنی ایک تو مقصود ہوتا ہے من کل الوجوہ اور ایک مقصود ہوتا ہے من بعض الوجوہ گو لزوم اور وجوب دونوں میں مشترک ہوتا ہے مثلاً جیسے نماز اور وضو۔ ہر شخص جانتا ہے کہ نماز اصل ہے اور وضو تابع اور اس کی شرط ہے مگر باوجود اس کے یہ نہیں ہے کہ وضو کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں یعنی اس معنی کر غیر مقصود نہیں ہے کہ بلا وضو بھی نماز کو جائز سمجھا جاوے بلکہ دونوں میں عجیب تعلق ہے کہ وضو تو بلا نماز کے صحیح ہے لیکن نماز بلا وضو کے صحیح نہیں یعنی یہ تو ہے کہ بدون وضو کے نماز درست نہیں لیکن اس کا عکس نہیں ہے مثلاً اگر کوئی وضو تو کرلے مگر

نماز نہ پڑھے یعنی جس نماز کے لئے وضو کیا ہے اس نماز کے وقت کے اندر اس وضو سے اس نماز کو ادا نہ کرے تب بھی جب دوسرا وقت نماز کا آئے گا تو کسی مفتی کا فتویٰ نہیں کہ اس دوسری نماز کے لئے پھر وضو کرنے کی ضرورت ہے بلکہ وہی وضو کافی ہوگا۔ دوسری نماز کے لئے ادا اور پہلی نماز کے لئے قضا غرض وضو بلا نماز صحیح ہو سکتا ہے لیکن نماز بلا وضو صحیح نہیں ہو سکتی یہ مثال اور مثال کے اندر یہ خصوصیت یاد رکھنے کے قابل ہے تاکہ اجمالاً ایک غلطی معلوم ہو جائے جو بعض لوگ اعمال کے اندر کرتے ہیں کہ مقاصد غیر مقاصد کے اندر تفصیل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اعمالِ غیر مقصود کا حذف بھی جائز ہے۔ یعنی آج کل یہ بہت زبان زد ہے کہ مقصود تو حق تعالیٰ کی یاد ہے اور نماز روزہ وغیرہ محض اس کے ذرائع ہیں اور غیر مقصود ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بہت لوگوں نے یہ مشرب اختیار کر رکھا ہے اس مثال سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نماز، روزہ وغیرہ کا غیر مقصود ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ وضو کا کہ گو غیر مقصود ہے لیکن کیا اس کو جائز الحذف یا جائز الترک کہہ سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ غیر مقصود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مقصود کے برابر نہیں اور غیر مقصود بھی محض اس درجہ میں ہے کہ نماز کا رکن اور اس میں داخل نہیں کیونکہ شرط ہمیشہ مشروط سے خارج ہوا کرتی ہے۔ مگر بوجہ شرط ہونے کے مقصود کی مکمل و متمم ہونے کے درجہ میں یہ بھی مقصود ہے۔

بہرحال مقصود کے درجات ہوا کرتے ہیں خوب سمجھ لیجئے۔ میرے الفاظ مقصود و غیر مقصود سے شبہ ہو سکتا تھا اس کو رفع کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس مثال سے اس کو رفع کر دیا گیا بلکہ اس طرح کہا جاوے تو اور

زیادہ واضح ہے کہ مقصود تو سب اعمال ہیں لیکن بعض مقصود ہیں اور بعض مقصود مقصود اعظم ہیں بہرحال وہ شبہ حذف ہوگیا اب بعد حذف شبہ کے میں پھر عود کرتا ہوں اپنی تقریر کی طرف یعنی جتنے اجزاء ان آیتوں میں ہیں وہ ہیں تو سب کے سب مقصود لیکن ان میں جو مضمون مقصود اعظم ہے اس کو اس وقت بیان کرنے کے لئے میں نے تجویز کیا ہے کیونکہ وہ مضمون ازروئے قواعد شرعیہ کے نیز باعتبار اپنی نوع کے اصل ہے باقی مضامین اُسی کے متمم اور توابع اور لاحق ہیں یہ حاصل ہے اس مضمون کا۔ اس مضمون کا حاصل مفصل تو ان آیتوں میں ہے جو عنقریب بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے اور مجمل حاصل ایک اور بھی ہے کہ جو حضرت عراقی کے ایک شعر میں ایک دوسرے عنوان سے مذکور ہے جس کے متعلق ایک دوست نے مجھے مشورہ بھی دیا کہ اس شعر کا مضمون آج بیان کیا جاوے۔ وہ شعر حضرت عراقی کا یہ ہے ؎

صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ ورسم پارسائی

(میرے مرشد مجھے تو طریق جذب کا رستہ دکھلا دے۔ کیونکہ ریاضت ومحنت کا راستہ بہت دشوار معلوم ہوتا ہے)

اس وقت اس فرمائش کو میں نے قبول نہیں کیا تھا مگر رد بھی نہیں کیا تھا وجہ یہ ہے کہ بیان بالکل اختیار میں نہیں نہ پہلے سے کوئی مضمون تجویز کیا جاتا ہے۔ عادۃ اللہ ہر ایک کے ساتھ جدا ہے اکثر اور غالب معاملہ اپنے ساتھ یہی دیکھا جاتا ہے کہ عین وقت پر یا قریب کوئی مضمون خود تقاضا کرتا ہے قلب میں۔ پس اسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور اسی کو بیان کردیا جاتا ہے جس

عنوان سے بھی میسر ہوا تو اس وقت گو اس فرمائش کو قبول نہیں کیا گیا لیکن رد کی بھی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ ذہن خالی تھا۔ مگر وقت کے قریب اسی مضمون کا تقاضا قلب میں پیدا ہوا۔ میں نکتہ اس وقت یہ سمجھا تھا کہ چونکہ یہ بیان ایک بزرگ کے مزار کے قریب ہے جو بزرگ اسی لقب کے ساتھ مشہور ہیں (یعنی حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر قدس سرہٗ العزیز ۱۲ جامع) اس لئے یہ فرمائش کی گئی ہے۔ غرض میں یہ سمجھا تھا کہ محض شاعری نکتہ ہے اسی واسطے قلب نے اُس فرمائش کو قبول نہیں کیا لیکن بعد اس کے اسکی ضرورت بھی معلوم ہوئی۔ وہ ضرورت یہ کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر تو وہ ہیں کہ جنھیں اعمال کی طرف توجہ ہی نہیں۔ بہت سے ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ نہ نماز نہ روزہ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ نماز روزہ کے ساتھ تمسخر بھی ہے اور استہزاء بھی ہے کوئی تہذیب کے ساتھ استہزاء کرتا ہے کوئی بد تہذیبی کے ساتھ تو فقط ترک ہی نہیں بلکہ استہزاء اور استخفاف بھی ہے۔ اور اگر خیر استہزاء اور استخفاف نہ بھی ہو تو اخلال اور سستی اور کسل تو ضرور ہے استطاعت ہے اعمال کی مگر نہیں کرتے نماز روزہ کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے۔ بدنگاہی سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے غیبت سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے۔ پرائے حقوق سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے۔ سب وشتم۔ لڑائی جھگڑا، مکر وفریب ان سب سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے۔ کثرت سے تو ہم لوگوں کی یہی حالت ہے کہ گویا اعمال ہیں ہی نہیں بلکہ بجائے ان کے دوسرے اعمال ہیں یعنی معاصی میں مبتلا ہیں اور زیادہ ایسے ہی ہیں مگر اس کے ساتھ ان لوگوں کو اپنے اعمال وطاعات کا دعویٰ بھی نہیں اس لئے یہ لوگ اتنے زیادہ قابل شکایت نہیں جتنے

قابل شکایت وہ لوگ ہیں کہ ان کے یہاں اعمال بھی ہیں، تقویٰ بھی طہارت بھی اور اپنے کو عابد و زاہد بھی سمجھتے ہیں مگر ان اعمال میں روح نہ ہونے سے وہ اعمال ایسے ہیں جیسے بادام بلا مغز یا دودھ بلا روغن۔ ان کے حال پر زیادہ تاسف ہے اور وہ زیادہ قابل رحم ہیں۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ بیچاروں نے محنت بھی کی مشقت بھی اٹھائی مجاہدے بھی کئے مگر افسوس پھر بھی مقصود حاصل نہ ہوا سارے دن چلے دھوپ سہی خاک پھانکی پیروں میں آبلے پڑے مگر منزل پھر بھی قطع نہ ہوئی مجھے یاد ہے کہ میرے ایک عزیز نے رات کو سفر کا قصد کیا۔ سواروں میں نوکر تھے۔ رخصت قریب ختم تھی۔ ملازمت پر واپس جا رہے تھے۔ بھتیجے نے کہا بھی کہ اندھیری رات ہے اس وقت نہ جائیے پریشان ہو جائیے گا۔ لیکن نہیں مانا۔ کہا تم بچہ ہو۔ کیا سمجھو۔ نوکری کا معاملہ ہے رخصت ختم ہو گئی ہے میں کیسے رک سکتا ہوں۔ بھتیجے نے کہا بہت اچھا جائیے مگر پریشان ہو جیئے گا۔ خیر صاحب چلے وہاں سے۔ رات ایسی اندھیری کہ چل تو رہے تھے مگر کچھ پتہ نہیں کہ کدھر جا رہے ہیں دو چار میل تو خیر ٹھیک چلے کیونکہ اپنے گاؤں سے اتنی دور تک تو راستہ ہر شخص کو معلوم رہتا ہی ہے بے دیکھے بھی آدمی جا سکتا ہے مگر آگے چل کر خدا معلوم رخ کس طرف کو ہو گیا کہ راستہ بھولے اور ایسے بھولے کہ بھولنے کو بھی بھول گئے اور بھولنا تو وہی ہے کہ بھولنے کو بھی بھول جاوے۔

چنانچہ رستہ بھول کر خدا جانے کہاں سے کہاں پہونچے۔ اور بالآخر خدا جانے کیسا چکر کھایا کہ پھر اسی رستہ کو ہو لئے جس سے روانہ ہوئے تھے۔ اب وہ تو سمجھ رہے ہیں کہ ہم آگے کو چل رہے ہیں۔ حقیقت میں

ہٹ رہے ہیں پیچھے۔ غرض ساری رات گھوم گھام کر صبح کو لوٹ کر پھر وطن شریف ہی میں آ پہونچے۔ صبح صادق کا وقت تھا ان کے مکان کے قریب جامع مسجد ہے جو بہت کرسی دار ہے۔ اور اس کے فنا میں ایک برگد کا درخت ہے۔ جامع مسجد کو دیکھ کر کہا۔ اخاہ یہ کون سا گاؤں ہے جس کی مسجد بھی ایسی ہے جیسی ہمارے گاؤں کی۔ پھر برگد ملا کہا ارے میاں یہ تو درخت بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارے گاؤں کا یہ گاؤں تو ہمارے وطن کا مذکر ہے۔ بھائی یہ گاؤں بہت اچھا ہے آگے بڑھے تو اپنا سا مکان بھی معلوم ہوا اب سمجھ میں آیا کہ کیا قصہ ہے۔

بھتیجے صاحب مکان سے نکل کر نماز کو جا رہے تھے۔ انھوں نے کہا السلام علیکم۔ کہا کون۔ فلانے۔ کہا ہاں۔ کہاں میاں یہ تو بتاؤ میں ہوں کہاں۔ کہا وہیں ہو جہاں میں ہوں اور کہاں ہوتے۔ کہا ارے میاں میں تو رات بھر چلتا رہا اور پھر گھر کے گھر ہی میں رکھے ہوئے ہیں لاحول ولا قوۃ۔ یہ تو بڑی واہیات بات ہوئی۔ بھتیجے نے کہا میں نے آپ سے کہا نہ تھا لیکن آپ نے مانا ہی نہیں۔ تو بڑا افسوس ہے ایسے مسافر پر جو ساری رات تو سفر کرے اور صبح کو پھر آ جاوے جہاں سے چلا تھا۔ تھکا بھی ماندہ بھی ہوا وقت بھی صرف ہوا پھر بھی وہیں کا وہیں جہاں پہلے تھا۔ خیر یہاں یہ بات تو نہیں ہے کہ یہ شخص بالکل مشابہ ہے اس مسافر کے۔ یہاں راستہ کچھ نہ کچھ قطع تو ہوتا ہے لیکن بالکل ناتمام یعنی ایسے جیسے چھکڑے کی چال کہ صبح سے شام تک تو چلا اور کتنا آیا۔ دس میل۔ اور ایک ریل ہے کہ اتنے میں دو سو میل نکل گئی اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ریل اور چھکڑے کی رفتار میں جو اس قدر تفاوت

ہے تو اس کا سبب کیا ہے ریل میں آخر وہ چیز کیا ہے جس نے اس کی رفتار کو اس درجہ تک پہونچا دیا ہے سبب اس تفاوت رفتار کا یہی ہے کہ ریل میں مشین لگی ہوئی ہے اُسی نے اس کو ہوا بنا رکھا ہے۔ اگر چھکڑے میں بھی ویسی ہی مشین لگا دیں تو اس میں بھی وہی بات پیدا ہو جائے گی بالخصوص جبکہ اس میں مشین لگانا ممکن بھی ہو اور سہل بھی ہو تو حسرت ہے اس شخص پر جو پھر بھی مشین نہ لگائے پھر ایسے لوگوں میں بھی بعض تو وہ ہیں جو متقی پرہیزگار ہیں اور بعضے ایسے ہیں جو محض ریاکار ہیں جس میں ریا اور نمائش ہے اس کی تو بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے اس مُسافر کی۔ اور بعینہ وہی حالت ہے کیونکہ ریا حابط عمل ہے گو فرض تو سر سے اُتر جاتا ہے لیکن مقبول نہیں ہوتا اور مقصود مقبولیت ہی ہے جب مقبول ہی نہ ہوا تو وہ پھر عمل ہی کیا ہوا وہ تو لاشئے محض ہوا۔ اس کی تو وہ پہلی ہی مثال ہے۔ چنانچہ جو لوگ محض نمایش کے لئے عمل کرتے ہیں یعنی فقط اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ صاحب یہ بڑے عمل کرنے والے ہیں ان کی بابت حدیث شریف میں وارد ہے۔

فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ قیامت میں سب سے اوّل ایک ایسے شخص کو لایا جاوے گا جو شہید ہوا ہو گا اللہ کے راستہ میں اس کو بتلایا جاوے گا کہ ہم نے تو تم کو یہ یہ نعمتیں دی تھیں وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا پھر اس سے پوچھا جاوے گا کہ ہم نے تم کو یہ نعمتیں دیں اور تم نے اس میں عمل کیا کیا وہ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اپنی جان دے دی۔

ارشاد ہو گا کہ تم جھوٹے ہو ہم کو خوش کرنے کے لئے جان نہیں دی۔

بَلْ لِيُقَالَ اِنَّكَ جَرِیٌّ بلکہ اس لئے جان دی کہ سب میں یہ شہرت ہو جائے کہ بڑے بہادر تھے فَقَدْ قِيْلَ تو تمہاری تعریف اور شہرت ہو چکی۔ جو تمہارا مطلب تھا وہ دنیا ہی میں تم کو حاصل ہو چکا۔ دوم تمہارا مدعا پورا ہو گیا پھر حکم ہو گا کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے پھر بلایا جائیگا ایک بڑے عالم کو اسی طرح اس سے پوچھا جاوے گا کہ کہئے صاحب آپ نے کیا کیا۔ وہ کہیگا میں نے یوں وعظ کہے یوں نصیحتیں کیں یوں لوگوں کو ہدایت کی اور یوں علم سکھایا۔

ارشاد ہو گا یہ ہمارے واسطے نہیں کیا بَلْ لِيُقَالَ اِنَّكَ قَارِیٌ بلکہ اس واسطے کہ لوگوں میں مشہور ہو کہ بڑے عالم ہیں بس تو آپ بھی وہیں تشریف لے جائیے جہاں آپ کے بھائی صاحب گئے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے یہ آیا ہے حدیث میں کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے گا پھر ایک سخی صاحب لائے جاویں گے ان سے بھی یہی سوال کیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ میں نے بہت مال و دولت اللہ کے راستہ میں خرچ کیا تھا۔

ارشاد ہو گا کہ اس واسطے نہیں کیا کہ ہم راضی ہوں بل لیقال انك جواد بلکہ اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ بڑے سخی ہیں ان کی داد و دہش کا کیا کہنا ہے بس سارے شہر میں وہی تو ایک سخی ہیں اگر کوئی اور سخی ہو گا تو فلانے کے برابر نہیں ہو گا۔ فَقَدْ قِيْلَ جو تمہارا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا۔ لہٰذا تم بھی وہیں جاؤ جہاں تمہارے دو بھائی جا چکے ہیں چنانچہ اس کو بھی منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے گا تو حضرت یہ تین عمل کتنے بڑے بڑے ہیں۔ علم دین۔ سخاوت۔ شہادت۔ اب ان سے بڑھ کر کونسا عمل ہو گا لیکن دیکھ لیجئے ریا کی بدولت ان کی کیا گت بنی ہے وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا

عمل صرف صورت عمل ہے حقیقتاً عمل ہی نہیں اور واقعی جو لوگ محض ریا کار ہیں ان کا تو وہی حال ہے کہ ؎

از بروں چوں گور کافر پُر حلل   و اندروں قہر خدائے عز و جل

ترجمہ:۔ باہر سے تو کافر کی طرح آراستہ ہے۔ اور قبر کے اندر خدا کا قہر و غضب ہے۔

از بروں طعنہ زنی بر بایزید   واز درونت ننگ می دارد یزید

ترجمہ:۔ ظاہر میں تو تو بایزید بسطامی پر طعنہ کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت سے یزید بھی شرماتا ہے۔

ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوئی اور بعض وہ لوگ ہیں جن کے عمل ریا سے تو نہیں ہیں خلوص کے ساتھ ہیں مگر ناتمام اور غیر مکمل گویا جسد بلا روح ہیں خیر وہ کچھ ہیں تو سہی مگر ایسے ہی ہیں جیسے چھکڑے کی رفتار بمقابلہ ریل کے۔ تو اگر کوئی نادان ایسا ہو کہ اس کو ریل عطا کی گئی ہو جس میں انجن بھی ہے اور سامان آگ کا بھی موجود ہے مگر صرف آگ ڈالنے اور مشین چلانے کی کسر ہے اگر اس میں آگ چھوڑ دی اور بھاپ پیدا کر دی تو پھر وہ ریل ہے کہ صبح سے شام تک دو سو تین سو میل نکل گئی بلکہ زیادہ نہیں تو بس ایک ٹھیلہ ہے تو انجن بھی موجود آگ کا سامان بھی موجود لیکن بیوقوف ڈرائیور ہے کہ اس کو ٹھیلتا ہے ٹھیلنے کے لئے اوّل تو نیچے اُترنا پڑتا ہے پھر بہت کچھ زور بھی لگانا پڑتا ہے گو اس طرح ٹھیلنے سے بھی وہ چلتی ہے کیونکہ آخر لوہے کی سڑک پر ہے مگر کتنی صبح سے شام تک دو، تین چار میل بس اور جہاں چھوڑ دیا بس کھڑی ہو گئی اگر فوراً نہیں تو کچھ دور اور چل کر سہی۔

غرض ٹھیلنے سے دن بھر میں دو چار میل چل سکتی ہے اور بہت سے

بہت دس میل اگر کوئی بہت ہی قوی ہوا اور برابر چلا گیا دھکیلتا ہوا تو اس شخص مذکور کی حالت اس کے مشابہ ہے اور یہ حالت بھی قابل افسوس ہے ہم نے بہت لوگ ایسے دیکھے ہیں کہ تقویٰ بھی طہارت بھی ظاہری حالت بھی درست۔ ڈاڑھی بھی نیچی۔ پائنچے بھی ٹھیک۔ نماز بھی۔ روزہ بھی۔ یہ سب کچھ مگر ساتھ ہی اس کے روح جس کو میں آگے بیان کروں گا وہ نہیں۔ غرض ہر عمل بے روح ہے۔ یعنی کم جان ہے گو بالکل بے جان نہیں اس کی رفتار ایسی ہی سست ہے جیسے ٹھیلہ کی۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے ایک انجن گاڑی اس شخص کو دی جس کی کلیں بھی بہت اچھی اچھی ہیں بھاپ بنانے کے لئے سب سامان بھی دیا، کوئلہ بھی۔ پانی بھی۔ دیا سلائی بھی۔ مگر آگ سلگائے کون اور بھاپ بنائے کون۔ اس کی بلا سے سستی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں کو اتنی حرکت دینا بھی گراں ہو رہا ہے تو یہاں کسر کاہے کی ہے۔ صرف بھاپ کی اور آگ سُلگانے کی چونکہ بھاپ نہیں ہے اس لئے رفتار تیز نہیں ہے اسوقت اسی بھاپ کا ذکر کیا جا رہا ہے اور یہی مراد ہے میری روح سے اور بھاپ نہ تو موجود ہے نہ اس کی فکر و کوشش ہے اسی کو حضرت عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ذکر کیا ہے اشارۃً ؎

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی   کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

ترجمہ:۔ اے مرشد مجھ کو تو قلندری کا راستہ بتلا دیجئے۔ کیونکہ پارسائی کا راستہ تو بہت دور دراز ہے۔

تو یہ ضرورت میری سمجھ میں آئی اس مضمون کی اور اس لئے یہ مضمون باوقعت معلوم ہوا کہ اس میں ایک بڑی کوتاہی کی تکمیل ہے اور اسی وجہ سے

اس کو اختیار کیا گیا اور اس ضروری چیز کی شرح اور تعیین میں آگے چل کر کردوں گا مگر اجمالاً حضرت عراقی کے اس شعر سے سمجھ میں آجائے گی اصل تو یہ وجہ ہے اس شعر کے مضمون کو اختیار کرنے کی باقی اس میں وہ شاعری نکتہ بھی ہے جس کی بنا پر میرے دوست نے مجھے مشورہ دیا تھا یعنی مقام بیان میں اس لقب کے ایک بزرگ کا مزار ہونا مگر ممکن ہے اُن کا ذہن بھی اس مضمون کی ضرورت کی طرف ہو گیا ہو بہر حال دو نکتے جمع ہو گئے ایک تو یہ کہ فی نفسہ بھی یہ مضمون ضروری ہے دوسرے خصوصیت مقام سے اس کا استحسان اور بڑھ جانا کیونکہ جس مقام پر یہ بیان ہو رہا ہے وہاں ایک ایسے بزرگ کا مزار مبارک ہے جو اس لقب قلندر ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔ نیز ایک برکت کی بھی اِنشاء اللہ تعالیٰ توقع ہے۔ پھر چونکہ یہ وعظ ایک بزرگ کے ساتھ نامزد ہے اس لئے بھی اُمید اس مضمون کے نافع ہونے کی ہے۔ مگر یہ سب درجۂ تائید و تزئین ہیں یہ نکتے درجۂ مقصودیت میں نہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ مجھے اس وقت اس طریق کا بیان کرنا ہے جس کے متعلق ہم میں کمی ہو رہی ہے اور جس کی طرف اب ہمارا التفات نہیں رہا اس وجہ سے یہ مضمون اختیار کیا گیا ہے۔ تو حق سبحانہ تعالےٰ نے یہ مضمون اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے وہ اس طریق کی تفصیل ہے البتہ قرآن میں یہ اِصطلاح نہیں ہے اور یہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو اصطلاح چاہے مقرر کر لے تعبیر کرنے والے کو اختیار ہے جس اصطلاح میں چاہے کسی مضمون کو تعبیر کرے گو اس آیت میں یہ اِصطلاح نہیں ہے لیکن یہ مضمون ہے وہی چنانچہ تفصیل سے معلوم ہو جاوے گا لیکن

اس کے قبل ممکن ہے کہ کسی کو اس شعر کے متعلق ایک شبہ ہو اسکو رفع کئے دیتا ہوں وہ شبہ یہ ہے کہ حضرت عراقی نے اس شعر میں رہ قلندر اور رہِ پارسائی کو متقابل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں

ع صنمارہِ قلندر سزد ار بمن نمائی

اے مرشد مجھ کو قلندر کا رستہ بتلا دیجئے

ع کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

کیونکہ رستہ پارسائی کا تو بہت دور دراز ہے۔ یہ ترجمہ ہے اس شعر کا اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ قلندر کا رستہ پارسائی کے رستہ کے مقابل ہے تو گویا اس طریق قلندری میں پارسائی نہ ہوتی ہو گی یعنی آدمی بالکل آزاد اور رند بے قید ہو جاتا ہو گا اُسے ڈاڑھی رکھنی بھی ضروری نہ رہتی ہو گی اس پر نماز بھی فرض نہ رہتی ہو گی۔ شراب بھی اُسے حلال ہو جاتی ہو گی۔ غرض حلال حرام کی بالکل تمیز نہ رہتی ہو گی۔ شاید طریق قلندری کا خلاصہ ذہنوں میں یہ ہو گا تو اللہ بچاوے ایسے طریق سے غرض کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے اس شعر کے مضمون سے اس کو پہلے رفع کئے دیتا ہوں کیونکہ اس کا رفع کرنا فی نفسہ بھی ضروری ہے۔ نیز اس کی اس بیان میں بھی ضرورت ہو گی جو مجھے اس وقت کرنا ہے اور یہ اس بیان میں معین بھی ہو گا اب یہاں ضرورت ہے تھوڑے سے علم درسی کی مگر خیر میں حتی الامکان آسانی سے سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ غیر اہل علم بھی بقدر ضرورت سمجھ سکیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ عراقی کے شعر میں جو طریق قلندری و طریق پارسائی میں تقابل واقع ہوا ہے وہ ظاہر سیاق سے تبائن پر ضرور دال ہے جس کے لئے عدم تصادق لازم ہے لیکن تبائن و عدم تصادق کے لئے تنافی و عدم اجتماع

ضروری نہیں دیکھئے کل میں اور اس کے اجزاء خارجیہ میں تباین وعدم تصادق متحقق ہے لیکن تنافی نہیں اور اجتماع ہوتا ہے جیسے بیت کے لئے جدار اور سقف اجزاء خارجیہ ہیں جن میں باہم تصادق نہیں بلکہ تقابل ہے لیکن ایک کُل ہے اور دوسرا جزو اور دلائل سے ثابت ہے جس کا کافی بیان اس وعظ میں بھی ہے کہ طریق قلندر کے دو جزو ہیں ایک عمل جو حقیقت ہے طریق پارسائی کی اور دوسرا محبت اور طریق قلندر نام ہے ان دونوں کے مجموعہ کا اور چونکہ یہ اجزاء خارجیہ ہیں ان میں تصادق تو نہیں مگر کلیت وجزئیت کا تعلق ہے پس طریق قلندر کُل ہوا اور طریق پارسائی اس کا ایک جزو ہوا اور جزو کے انتفاء سے کُل کا انتفاء لازم ہے پس طریق پارسائی جہاں منتفی ہوگا وہاں طریق قلندری بھی منتفی ہو جاوے گا۔ سو حاصل شعر کا مطلب یہ ہوا کہ محض طریق پارسائی کافی نہیں جو کہ ایک جزو ہے طریق قلندری کا بلکہ طریق قلندری مطلوب ہے جس میں دونوں جزو جمع ہیں طریق پارسائی بھی اور طریق محبت بھی پس اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا باقی اب یہ دوسری تحقیق ہے کہ ان دونوں میں اصل کون ہے محبت یا اعمال اس کا فیصلہ بھی ہوا جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ یہاں اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ طریق قلندر وہ طریق ہے جو مرکب ہو محبت اور اعمال دونوں سے آگے ایک اصطلاحوں کا فرق ہے جو اصطلاح متقدمین میں پائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے رہِ قلندر میں یہ بھی قید ہے کہ جس میں اعمال کی تقلیل ہو یعنی اعمال ظاہرہ مستحبہ کی کیا معنی کہ بہت نفلیں اور وظائف نہ ہوں بلکہ محبت کی خاص رعایت ہو یعنی تفکر اور مراقبہ زیادہ ہو۔ ایک تو یہ اصطلاح ہے اور ایک اصطلاح اور ہے یعنی خواہ ان اعمال کی تکثیر بھی ہو مگر غلبہ آزادی کو ہو

لیکن آزادی خلق سے نہ کہ خالق سے کیا معنی کہ قلندر کو دنیا کی وضع اور رسوم کی پرواہ نہیں نہ مصالح پر نظر ہوتی ہے مثلاً ہم لوگ یہ بھی نظر کرتے ہیں کہ بھائی ایسا نہ کہو کوئی کیا کہے گا اور مثلاً ہم لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ فلانے کو کچھ کہو مت بُرا مانے گا۔ وحشت ہوگی بھائی مگر بشرطیکہ ان رعایتوں کا شریعت سے اذن بھی ہو اور قلندر کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی بُرا مانے گا یا بھلا مانے گا اس کا دل صاف اور سادہ ہوتا ہے غرض وہ آزاد ہوتا ہے مصالح سے اس کی مصلحت صرف ایک ہوتی ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند

ترجمہ:۔ مصلحت دید میری یہ ہے کہ تمام دوست دنیا کو چھوڑ دیں اور صرف یار کی زلف کو پکڑ لیں۔

اس کی بڑی مصلحت یہی ہوتی ہے کہ ایک کو لے کر سب کو ترک کر دو اسکی تو بس یہ حالت ہوتی ہے ؎

دل آرامے کہ داری دل در و بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ترجمہ:۔ اے دل جس کو تو دوست رکھتا ہے اسی میں دل لگا۔ اور تمام جہاں سے آنکھیں بند کرلے۔

اور اس کا یہ مشرب ہوتا ہے ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم وخیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

ترجمہ:۔ تمام شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند ہی کے خیال میں محو ہوں۔ کیا کروں میں۔ کاش کہ بدخو نظر کسی پر بھی نہ پڑتی سوائے محبوب کے کسی پر اس کی نظر ہی نہیں پڑتی بجز ایک کے سارے جہاں کو انھوں نے ہیچ اور فنا کر دیا ہے جب انھوں نے اپنے ہی کو

پیچ اور فنا کر دیا تو پھر دوسرے پر کیا نظر کریں کہتے ہیں ؎

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
اور جو خود ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

جب اپنی ہی ہستی مٹادی تو دوسروں کی ہستی کی انھیں کیا پرواہ مشہور ہے کہ جب اپنی ہی ٹوپی اُتار دی تو پھر دوسروں کی ٹوپی کی کیا پرواہ جب وہ اپنی ہی ہستی کو مٹا چکا تو دوسروں کی ہستی کی پرواہ ہو اس کی جوتی کو ایسے شخص کو اصطلاح صوفیہ میں حُر کہتے ہیں بعض صوفیائے کرام نے قرآن مجید میں سے ایک لطیفہ نکالا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے اس قول سے :-

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ

ترجمہ :- اے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کیلئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا سو آپ اس کو مجھ سے قبول کر لیجئے۔

اے اللہ میں تیرے نذر کرتی ہوں جو کچھ میری نیت میں ہے اور تیرے راستہ میں اسے آزاد کرتی ہوں۔ اس کا یہ تھوڑا ہی مطلب ہے کہ وہ غلام تھا اب اسے آزاد کرتی ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میں اسے تیرے ہی لئے خاص کرتی ہوں اے اللہ میاں یہ خالص تمہارا ہے۔ تمہارے دین کی خدمت میں ساری عمر رہے گا۔ تو حُر کے معنی خالص کے ہوئے چنانچہ اہل لغت نے لکھا ہے طین حُر یعنی وہ مٹی جس میں کنکر وغیرہ نہ ملا ہو حُر خالص مٹی کو کہتے ہیں۔ یہاں بھی حُر کے معنی ہیں خالص اللہ کا اور اب تو خالص کے وہ معنی ہو گئے جو نخالص کے ہیں یعنی اس کے جو اصلی معنی ہیں اس معنی کر نہیں جیسے عوام پوچھتے ہیں کہ یہ گھی نخالص ہے بیچنے والا کہتا ہے کہ ہاں

بالکل نخالص ہے ایسے ہی احرار کی دو قسمیں ہیں ایک خالص ایک نخالص نخالص کون جس میں میل ہو۔ میل کاہے کا ہو۔

میل ہو حُبِّ دنیا کا، میل ہو حُبِّ غیر کا۔ میل ہو معصیت کا شرک کفر کا۔ یعنی آج کل آزاد اس کو کہتے ہیں جو شریعت سے آزاد ہو۔ اللہ اکبر ایسا شخص بھی کہیں آزاد کہا جا سکتا ہے۔ حضرت یہ تو وہ آزاد ہے جو ہزاروں قیدوں میں ہے یعنی معصیتوں میں مبتلا ہے پھر آزادی کہاں رہی کیونکہ معصیت کی قید تو سب قیدوں سے سخت قید ہے غرض بے قید کوئی نہیں۔ کوئی خدا کی قید میں ہے۔ کوئی شیطان کی قید میں، بہرحال قید سے تو خالی کوئی نہیں۔ اب اس کا فیصلہ خود کر لو کہ کون سی قید پسند کے قابل ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اسیرش نخواہد رہائی زبند شکارش نجوید خلاص از کمند

ترجمہ :- اس کا قیدی قید سے آزادی نہیں چاہتا۔ اسکا شکار کمند سے رہائی نہیں چاہتا۔

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

گر دو صد زنجیر آری بگسلم غیر زلف آں نگارے دلبرم

یعنی اگر سیکڑوں قیدوں میں بھی ڈال دیا جاؤں تو ساری قیدیں توڑ ڈالوں مگر معشوق کی زلف کی قید کہ اس کو توڑنا ہرگز گوارا نہ کروں۔ کیونکہ یہ قید تو محبوب قید ہے۔ غرض قید بھی دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو محبوب قید اور ایک ناگوار قید۔

دیکھو تو سہی اگر عاشق کو کسی دعوت کے لئے پکڑو تو وہ رسّے توڑ کر بھاگے گا کہ ہمیں دعوت سے کیا مطلب ہم تو آزاد ہیں اب فرض کرو اسی

رو میں محبوب بھی آگیا اور اس نے بھی کہا کہ چلو میاں تمہاری آج دعوت ہے ہمارے یہاں اور وہ اس سے بھی کہہ دے کہ نہیں جناب میں تو آزاد ہوں میں دعوتوں میں نہیں جایا کرتا۔

کوئی اس سے کہے کہ ارے احمق جس کی بدولت تو آزاد ہوا ہے اسی کے یہاں تو آج دعوت ہے جس کے لئے تو نے سارے تعلقات قطع کئے آج کی دعوت اسی شخص کے تعلق سے مسبب ہے اس کی دعوت میں بھی جانے سے آزاد بنتا ہے تو تو عاشق ہی نہیں یہ اچھی آزادی ہوئی صاحب کہ نماز بھی چھوڑ دی روزہ بھی چھوڑ دیا۔ یہ آزاد کہاں سے ہوا یہ تو ہزاروں قیدوں کے اندر جکڑا ہوا ہے۔

آزاد وہ ہے جو غیر اللہ سے آزاد ہو۔ جو خالص اور حُر ہو تو قلندر کے یہ معنی ہیں خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں تو قلندر وہ ہے جس میں اعمال غیر واجبہ کی تقلیل ہو اور متاخرین نے اس کے معنے میں وسعت کی ہے یعنی قطع نظر اس سے کہ اعمال میں تقلیل ہو یا تکثیر، لیکن خلق سے آزاد ہو اور یہ دونوں اصطلاحیں جدا جدا ہیں۔ لیکن ایک نکتہ کی بناء پر یہ دونوں اصطلاحیں متوافق بھی ہو جاتی ہیں یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلندر کے اعمال میں تقلیل ہوتی ہے تو قلت اور کثرت امور اضافیہ میں سے ہیں یعنی بمقابلہ دوسرے اہل اعمال کے تو وہ عمل میں بھی بڑھا ہوا ہے یعنی اوروں سے تو اس کا عمل بھی غالب ہے لیکن خود اس میں جو محبت اور عمل دو چیزیں جمع ہیں ان میں محبت کا حصہ عمل سے بڑھا ہوا ہے پس اس کمی کا یہ مطلب نہیں کہ عمل میں فی نفسہ کوئی کمی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گو عمل بھی بہت بڑھا ہوا ہے لیکن محبت میں اس سے زیادہ بیشی ہے عمل تو کامل ہے ہی

مگر محبت کامل سے بھی آگے یعنی اکمل ہے اس تقریر سے یہ دونوں اصطلاحیں باہم متوافق ہو گئیں اب ایک اور تیسری اصطلاح جہلاء کی ہے جو بالکل بدعت ہے کہ قلندر وہ ہے جو چار ابرو کا صفایا کر دے اور نماز روزہ سب کو رخصت کر دے ایسے شخص کو جہلاء کہتے ہیں کہ صاحب یہ قلندر ہیں۔ استغفر اللہ وہ کیا قلندر ہوتا ہاں اگر کوئی معذور ہو غیر مکلف ہو ہو مثلاً مجنوں ہے دیوانہ ہے تو وہ مستثنیٰ ہے یعنی خدا کے یہاں اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا یہ دوسری گفتگو ہے کہ آیا وہ کامل بھی ہے۔

سو یہ خوب سمجھ لیجئے کہ نہ وہ کامل ہے نہ مکمل کیونکہ مکمل ہونے کے لئے خود کامل ہونا ضروری ہے تکمیل کے لئے کمال شرط ہے۔ جو خود ہی درزی کا کام نہ جانتا ہو وہ دوسرے کو سینا کیونکر سکھا سکتا ہے تو مجاذیب اور بہلول جو ہوتے ہیں چونکہ یہ خود کامل نہیں ہوتے لہٰذا دوسرے کی تکمیل بھی نہیں کر سکتے کامل اور مکمل وہی ہے جو قدم بقدم ہو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جس کا ظاہر ہو مثل ظاہر پیغمبر کے اور باطن ہو مثل باطن پیغمبر کے یعنی ہر امر میں ہر حال میں پیغمبر ہی اس کے قبلہ و کعبہ ہوں۔ اس کے ظاہر کا قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر ہو اور اس کے باطن کا قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہو اس کو خوب سمجھ لیجئے۔ دیکھئے تو سہی نماز کی صحت کے لئے قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ ہاں قبلہ سے تھوڑا فرق ہو تو خیر مضائقہ نہیں نماز صحیح ہو جاوے گی چاہے رکعتیں بھی زیادہ نہ پڑھے اور چاہے قرأت میں بھی کچھ تقلیل ہو مگر ہو قبلہ رخ تب ہی نماز کی صحت متحقق ہوگی اور اگر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو چاہے رکعتوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور قرأت میں بھی تطویل ہو لیکن نماز صحیح نہ ہوگی۔

دیکھو یہ مسجد بنی ہوئی ہے (بیان مسجد سے متصل ہو رہا تھا ۱۲ جامع) اسکی

سمت کی طرف نماز صحیح ہو جاتی ہے وجہ کیا کہ یہ مسجد خانہ کعبہ کی طرف گویا منہ کئے ہوئے ہے لہٰذا جو کوئی اس کی سمت کی طرف اپنا منہ کر کے نماز پڑھے گا چاہے دو رکعت ہی کیوں نہ ہوں اس کی نماز صحیح ہو جاوے گی۔ برخلاف اس مسجد کی سمت کے مقابل مشرق کی جانب اگر آپ اس مسجد کی ایک شکل بنا کر (کیونکہ وہ مسجد کیا ہو گی مسجد کی محض شکل ہی ہو گی) اسمیں نماز پڑھیں جس میں اتنی لمبی لمبی سورتیں ہوں کہ ایک رکعت میں تو سورۂ بقر ہو دوسری میں سورۂ ال عمران پھر تیسری میں سورۂ نساء اور چوتھی میں سورۂ مائدہ غرض چار رکعتوں میں یہ بڑی بڑی چار سورتیں ختم کی گئیں اب آپ ہی کہئے یہ نماز کیسی ہوئی یا لکل ہیچ در ہیچ اس پر ثواب تو کیا ملتا بلکہ اور عذاب ہو گا تو اس نماز میں کیا چیز کم ہے فقط کمی یہ ہے کہ رُخ قبلہ سے ملا ہوا نہیں ہے اس کے سوا اور کوئی کمی نہیں شکل بھی نماز کی مسجد کی بھی ساری ہیئت وہی لیکن تحریف قبلہ کے سبب وہ نماز ہرگز مقبول نہیں بلکہ مردود ہے۔ نماز بھی اور نمازی بھی۔ تو ہمارے اعمال کا قبلہ و کعبہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ہیں جس عمل کا رُخ اس قبلہ کی طرف ہو گا وہی مقبول ہو گا پس ہمارے ظاہر کا قبلہ پیغمبر کا ظاہر ہے اور باطن کا قبلہ پیغمبر کا باطن ہے یعنی ہماری ظاہری حالت وہ ہونی چاہئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حالت تھی یعنی آپ کپڑا پہنتے تھے ہمیں بھی ننگا نہیں رہنا چاہئے آپ ڈاڑھی رکھتے تھے ہماری ڈاڑھی بھی منڈی یا کٹی نہ ہونا چاہیئے۔ آپ کے ٹخنے کھلے ہوئے رہتے تھے ہمارے بھی کھلے رہنے چاہئیں اور یہ ہی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنے کھلے رہتے تھے بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ٹخنے ڈھانکنے سے منع بھی فرمایا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن ترشے ہوئے اور لبیں بنی ہوئی رہتی تھیں یہ ہی حالت ہمارے ناخن اور لبوں کی ہونی چاہیئے۔ غرض ہمارا ظاہر بالکل مشابہ ہونا چاہیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر کے کہ بس صورت دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ غلام ہے ایسے آقا کا۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید الہ آباد کے رہنے والے تھے میں الہ آباد گیا ہوا تھا وعظ کے اندر دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے شخص ڈاڑھی منڈی ہوئی خوب گورے چٹے گوٹہ پٹھے کے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں جاڑے کے دن تھے رضائی جو اوڑھے ہوئے تھے اس پر بھی گوٹہ اور پھیک لگی ہوئی تھی۔ وعظ کے بعد میرے پاس آکر بڑی محبت سے بولے کہ مولوی منہ کھول دے میں نے دل میں کہا کہ جب یہ ایسی محبت سے کہہ رہا ہے تو لاؤ منہ کھول دو میرا کیا بگڑتا ہے کوئی تھوک تو دیگا نہیں۔ غرض میں نے اپنا منہ کھول دیا اس نے فوراً ہی ایک لڈو میرے منہ میں رکھ دیا۔ میں نے کھا لیا کہ خدا کی نعمت ہے کسی کے ہاتھ سے دلوائیں۔ میں نے پوچھا تم کون ہو۔ یہ سنتے ہی اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ تھا صاحبِ محبت غلطی میں مبتلا تھا۔ مکار نہ تھا دوکاندار نہ تھا۔ زار زار آنسو بہہ رہے تھے وہ خود ہی شرمندہ تھا اپنی اس حالت پر رو کر کہا اس نالائق کو بندۂ امداد اللہ کہتے ہیں مجھ کو بھی رحم آگیا۔ آخر پیر بھائی کا خیال ہوتا ہے اور نہ بھی ہو تا پیر بھائی تو کیا تھا۔ جو شرارت اور سرکشی نہ کرے اور اپنے آپ کو خطاوار سمجھے اس پر رحم ہی آتا ہے البتہ شرارت کرنے والے پر غصہ آتا ہے خیر میں نے ان سے بات چیت کی اور مناسب تسلی دی۔ اس وقت تو ان سے مفصل گفتگو کرنے کا موقع

ملا نہیں اتفاق سے ایک مرتبہ میں گنگوہ گیا ہوا تھا وہ بھی وہاں چلتے پھرتے آگئے میری جو خبر سُنی تو اطلاع کر کے مع ایک مجمع عظیم کے میرے پاس پہونچے اور آتے ہی پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا۔ میں نے ہار تو ہاتھ میں لے لیا اور انبساط کے لئے پوچھا یہ کیسے ہیں۔

کہا ہم ایک باغ میں گئے تھے۔ عوام الناس ایسوں کے بڑے معتقد ہوتے ہیں سمجھتے ہیں کہ قطب الاقطاب ہیں ارے قطب الاقطاب ہوتے تو ڈاڑھی کہاں جاتی مگر انکے نزدیک تو ڈاڑھی کا نہ ہونا ہی دلیل قطبیت ہے اگر یہ بات ہے تو پھر سارا چین اور جاپان بس اقطاب اور اغواث ہی سے بھرا پڑا ہے کیونکہ وہاں قدرتی طور پر کسی کے ڈاڑھی مونچھ نکلتی ہی نہیں غرض ایسوں کو برکت کے لئے کوئی باغ میں لے جاتا ہے کوئی کھیتوں پر لے جاتا ہے۔ ان حضرت کو بھی کوئی اپنے باغ میں لے گیا ہوگا۔

غرض انھوں نے کہا کہ ایک باغ میں گئے تھے باغ والے نے پھول دیدیئے تھے۔ سو کچھ تو حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چڑھلائے جی چاہا کہ کچھ تمہیں بھی دیدیں۔ کیونکہ وہ پیارے تھے مُردوں میں۔ تم پیارے ہو زندوں میں۔ اپنے پیاروں کو اچھی چیز دیا ہی کرتے ہیں۔ یہ انھوں نے تقریر کی۔ بڑا مجمع تھا۔

میں نے کہا شاہ صاحب یہ پھول جو آپنے شیخ کے مزار پر چڑھلائے ہیں آپ کے نزدیک تو بڑی چیز ہیں لیکن ایک مثال فرض کرو اگر کوئی شخص ہو جو سو روپیہ تولہ کا عطر سونگھنے والا ہو اور تم چار آنے تولہ کا بہت ہی گھٹیا اور چکٹا ہوا لے جاؤ اور جا کر اس کی ناک میں دیدو تو کیسا۔ کیا یہ ایذا رسانی نہیں ہے۔ کہا بے شک۔ میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ حضرت

شیخ تمہارے نزدیک شمائم و روائح جنت سے مشرف ہیں یا محروم ہیں۔ کہنے لگے معاذ اللہ کون کہہ سکتا ہے کہ محروم ہیں۔ میں نے کہا تو بس یہ جو پھول تم نے حضرت شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں دو حال سے خالی نہیں یا تو انکی خوشبو پہونچتی ہے یا نہیں پہونچتی ہے۔ اگر نہیں پہونچتی ہے تو پھول چڑھانا بیکار اور اگر پہونچتی ہے تو ان جنت کے پھولوں کے مقابلہ میں جو حضرت شیخ کو حاصل ہیں تمہارے دنیا کے پھول سو روپیہ تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا چکٹا ہوا عطر ہے یا نہیں کہا بے شک میں نے کہا تو بس یہ تو وہی مثال ہوئی کہ سو روپیہ تولہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ تولہ کا سڑا ہوا عطر دیدیا تم نے پھول چڑھا کر حضرت شیخ کی روح کو تکلیف پہونچائی۔ کہنے لگے میں تو یہ کرتا ہوں یہ مسئلہ آج سمجھ میں آیا ہے اب کبھی کسی مزار پر پھول نہ چڑھاؤں گا میری توبہ ہے اس کے بعد ہم لوگ نماز کے لئے مسجد میں گئے لوگ وضو کرنے لگے اور وہ ایک طرف بیٹھ گئے۔

میں ان کے پاس جا بیٹھا اور آہستہ سے کہا کہ تم میرے پیر بھائی ہو اس لئے تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ تمہیں حضرت حاجی صاحب سے محبت ہے یا نہیں۔

بس رونے لگے کہا میں تو عاشق ہوں۔

میں نے کہا پھر عاشق ہو کر کیوں اپنے محبوب کی مخالفت کرتے ہو۔ کیا حضرت حاجی صاحب کی ایسی ہی ڈاڑھی تھی۔ کہا میں توبہ کرتا ہوں میں اب کبھی ڈاڑھی نہیں منڈاؤں گا صاحب انھوں نے ڈاڑھی منڈانے سے بھی توبہ کرلی میں اس شبہ میں رہا کہ کہیں منہ دیکھے کی توبہ تو نہیں ہے۔ مگر پھر جو میرا الہ آباد جانا ہوا تو رستہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص خوب

مقطع ڈاڑھی لئے ہوئے سامنے سے چلے آرہے ہیں میں نے پہچانا بھی نہیں۔ ایک شخص نے بتایا کہ یہ فلانے ہیں تب تو میں بہت خوش ہوا اور بغلگیر ہوکر ملا تو ان کی اصلاح اسی اصول سے کی گئی کہ جب تمہاری صورت حضرت حاجی صاحب جیسی نہیں پھر تم ان کے عاشق کیا ہوئے۔

تو قلندر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنا ظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر کے خلاف رکھے نہ بزرگوں کے کلام میں کہیں اس کے یہ معنی منقول ہیں محض لغو اصطلاح ہے اور اس غلط اصطلاح کے ہونے سے ایک اور خرابی ہوگئی وہ یہ کہ جن بزرگان دین کا جن میں علماء بھی تھے قلندر لقب ہوگیا چنانچہ حضرت قلندر صاحب صاحب مزار بھی عالم تھے عوام ان کی نسبت اس لفظ کو سنکر یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ حضرت بھی ایسے ہی ہونگے کہ نہ ڈاڑھی نہ مونچھ نہ نماز نہ روزہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حاشا وکلا یہ حضرت نہایت متبع سنت اور پابند شریعت تھے اور کوئی بزرگ بھی ایسے نہیں ہوئے جنھوں نے اتباع سنت نہ کیا ہو حتی کہ اگر غلبہ حال سے کبھی اتباع میں کچھ کمی بیشی ہوگئی ہے تو اپنی اس حالت کو ناقص سمجھا ہے اور کبھی اس پر اصرار نہیں کیا نہ کہ نعوذ باللہ اس کو قصداً اختیار کرتے۔ غرض یہ بالکل تہمت ہے کہ بعض بزرگوں کا طریق خلاف شریعت بھی رہا ہے سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کُلُّ مَارَدَّتْہُ الشَّرِیْعَۃُ فَھِیَ زَنْدَقَۃٌ یعنی جس حال یا جس مقال کو شریعت رد کرے وہ بالکل الحاد اور زندقہ ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں۔ بر ہوا پری مگسے باشی بر آب روی خسے باشی دل بدست آر کہ کسے باشی۔ اگر بزور کرامت

ہوا پر بھی اڑو گے تو کیا ہے گویا مکھی ہو جاؤ گے کہ وہ بھی تو ہوا میں بلا تکلف اڑتی ہے پانی پر چلو گے تو یوں سمجھو کہ ایک تنکا ہوگئے کیونکہ وہ بھی تو پانی کی سطح پر بہتا ہوا جاتا ہے ہاں اپنے دل کو قابو میں کرو تب انسان بنو گے اور اسی قسم کے بہت سے اقوال ہیں میری کتاب تعلیم الدین میں جمع ہیں اس میں دیکھ لیجئے۔

حضرت جنیدؒ سے کسی نے کہا کہ ایک قوم ہے جو یہ کہتی ہے :۔ نَحْنُ وَصَلْنَا فَلَاحَاجَۃَ لَنَا اِلَی الصَّلٰوۃِ وَالصِّیَامِ ہم واصل ہوگئے ہیں لہٰذا ہمیں حاجت نہیں رہی نماز کی اور نہ روزہ کی حضرت جنیدؒ نے اس کے جواب میں فرمایا صَدَقُوْا فِی الْوُصُوْلِ وَلٰکِنْ اِلٰی سَقَرَ یہ تو وہ سچ کہتے ہیں کہ واصل ہوگئے ہیں لیکن جہنم واصل ہوئے ہیں خدا واصل نہیں ہوئے۔ پھر ارشاد فرمایا وَلَوْ عِشْتُ اَلْفَ عَامٍ لَّمَا تَرَکْتُ مِنْ اَوْرَادِیْ شَیْئًا اِلَّا بِعُذْرٍ شَرْعِیٍّ یعنی اگر ہزار برس بھی زندہ رہوں تب بھی نماز تو بڑی چیز ہے کیونکہ فرض ہے وظیفے جو مستحب ہیں بلکہ بعض مستحب کے درجہ میں بھی نہیں یہ بھی کبھی نہ چھوڑوں الا بعذر شرعی۔ ہاں کوئی عذر شرعی لاحق ہو جاوے تو مجبوری ہے ورنہ کوئی وظیفہ تک بھی کبھی نہ چھوڑوں چنانچہ حضرت جنیدؒ اخیر عمر تک ہاتھ میں تسبیح رکھتے تھے۔ دیکھئے وظیفہ تو وظیفہ تسبیح رکھنا تک بھی عمر بھر نہ چھوڑا حالانکہ تسبیح کا رکھنا نہ سنت نہ مستحب کچھ بھی نہیں نہ موقوف علیہ کسی وظیفہ کا نہ کسی وظیفہ کے لئے شرط نہ منتہی ہو جانے کے بعد حضرت جنیدؒ کو اس کی حاجت باقی رہی تھی کیونکہ مبتدی کے لئے تو خیر وہ آلہ تذکر بھی ہو سکتی ہے منتہی تو تذکر میں راسخ ہو جاتا ہے اسی لئے منتہی کی شان میں لکھا گیا ہے۔ خلوت و چلّہ بر و لازم نماند مگر

اس پر بھی حضرت جنیدؒ نے اس اپنی ابتدا کی حالت کو بھی نہ چھوڑا کسی نے عرض بھی کیا کہ حضرت اب تو آپ منتہی اور واصل کامل ہو چکے اب آپ کو ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لئے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔

فرمایا ارے اس تسبیح ہی نے تو مجھے واصل بنایا ہے اور اس درجہ تک پہونچایا ہے پھر کیا اب اِس رفیق کو چھوڑ دوں اسی کی بدولت تو یہاں تک پہونچے کیا اسی کو رخصت کر دوں اسی نے تو محبوب تک پہونچایا ہے تو پھر یہ بڑی ناشکری ہے کہ آج اس کو جواب دوں۔ اللہ اکبر کیسے تھے یہ حضرات جناب یہ ائمہ طریق ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ناواقف تھے یا خشک مُلّا تھے یہ لوگ بڑے بڑے عارف کامل اور عاقل گذرے ہیں ان کے یہ اقوال و افعال ہیں۔

حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک شخص دس برس رہا چلتے وقت عرض کیا کہ حضرت میں نے اتنی مدت خدمت میں قیام کیا لیکن کبھی کوئی کرامت آپ کی نہیں دیکھی، میں نے سُنا تھا کہ آپ بہت بڑے کامل ہیں اسی لئے خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ کچھ فیض حاصل کروں گا مگر اتنی مدت قیام کو گذر گئی کوئی کرامت آپ سے کبھی صادر نہ ہوئی۔ یہ سُنکر آپ کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا جوش میں آکر فرمایا کہ اچھا یہ بتلا جنید سے تو نے اس عرصہ میں کوئی فعل سنت کے خلاف ہوتے بھی کبھی دیکھا ہے اس نے کہا نہیں یہ بات تو نہیں دیکھی اس پر آپ نے جوش میں آکر فرمایا کہ ارے پھر اس سے بڑھ کر جنید کی اور کیا کرامت ہو گی کہ اس نے دس برس تک اپنے خدا کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہو گی جو تو جنید کی دیکھنا چاہتا ہے۔

واقعی اس سے بڑھ کر کیا کوئی کرامت ہو سکتی ہے حقیقی کرامت تو یہ ہی ہے بڑی کرامت تو استقامت ہے اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور صراط اہل الکرامات نہیں فرمایا خوب سمجھ لو شریعت کا اتباع کسی حال میں متروک نہیں سب بزرگوں کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ طریق چشتیہ کے کتنے بڑے شیخ اور صاحب حال و قال درویش ہیں۔ اُنھیں کے مکتوبات کو دیکھ لو کوئی مکتوب اتباع شرع کی تاکید اور ترغیب سے خالی نہیں۔ غرض یہ طریقہ تھا بزرگوں کا تو یہ معنی قلندر کے بالکل گھڑے ہوئے ہیں کہ نہ نماز ہو نہ روزہ نہ ڈاڑھی ہو نہ مونچھ غرض دراصل صرف دو اصطلاح صحیح ہیں جن کی حقیقت کی تفصیل میں پہلے عرض کر چکا ہوں ایک کتابی اصطلاح ہے ایک زبانی۔ ایک کتاب میں ہے اور ایک اگرچہ کتاب میں نہیں لیکن مستند حضرات کی زبان پر ہے چنانچہ حضرت عراقی نے بھی اپنے شعر میں اس دوسری ہی اصطلاح کو لیا ہے اس اصطلاح میں خلاصہ طریق قلندر کا یہ ہے کہ وہ جامع ہوتا ہے اعمال اور محبت کا عمل اور محبت کے تفاوت کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کا بدون بھاپ کے ٹھیلنے سے چلنا اور جیسے بھاپ سے چلنا اگر انجن میں بھاپ نہیں ہے تو بیل ڈھکیلنے سے بھی چلے گی تو ضرور مگر کتنی زیادہ سے زیادہ دو، چار، چھ یا آٹھ میل اور وہ بھی بمشکل اور اگر انجن میں بھاپ ہے تو بس چھوٹتے ہی اُڑ گیا ساری گاڑیوں کو لے کر ہوا کی طرح۔ ولایتی ڈاک کی رفتار نہیں دیکھی آخر اس میں کیا چیز زیادہ ہے اس میں اور ایک ٹھیلہ گاڑی میں جس کو مزدور چلاتے ہیں

کیا فرق ہے۔

بس یہ فرق ہے کہ ایک میں بھاپ ہے اور ایک میں بھاپ نہیں ورنہ پہیئے مشین گاڑیاں سب چیزیں ویسی ہی ہیں مگر فرق کیا ہے دونوں میں صرف بھاپ کا فرق ہے اگر ولایتی ڈاک میں بھی بھاپ نہ رہے تو وہ بھی ٹھیلہ ہے۔ تو عمل مثل گاڑی کے ہے اور محبت گویا بھاپ ہے جو بمنزلہ گاڑی کی روح ہے تو اصل چیز ریل میں بھاپ ہی ہوتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پہیئے توڑ کر رکھ دو۔ اگر کہیں پہیئے توڑ کر رکھ دیئے تو بھاپ کا نہ ہونا تو خیر اتنا مضر بھی نہیں لیکن ایسی حالت میں بھاپ کا ہونا ہی بس غضب ہے۔ دیکھو ریل کبھی پٹڑی پر سے اُترتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہاتھوں سے ٹھیلتے ہوئے لئے جا رہے ہیں زور کی آندھی آئی یا کوئی اور سبب ہو گیا کہ پہیئے لین سے اُتر گئے اب چونکہ اس وقت وہ بھاپ کے زور سے نہیں چل رہی ہے اس لئے لین سے بھی اُترے گی تو زمین کے اوپر ہی چلنے لگے گی اگر زمین سخت ہوئی ورنہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کھڑی ہو رہے گی اور اگر کہیں خدانخواستہ ایسا ہوا کہ بھاپ کے زور میں اڑی چلی جا رہی تھی کہ پہیہ لین سے اُتر گیا تو بھاپ کی یہ برکت ہوئی کہ پہیئے زمین کے اندر گھس گئے پرزے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ڈرائیور اور سواریاں سب ہلاک ہو گئیں ایک قیامت برپا ہو گئی تو بس بھاپ موجود ہونے کی صورت میں اگر یہ لین پر رہی تب تو یہ مسافت کو نہایت سہولت اور امن و عافیت اور تیزی کے ساتھ قطع کرتی رہے گی اور اگر کہیں لین کو چھوڑ دیا تو واللہ قیامت برپا ہو جاوے گی مشین کا بھی، گاڑیوں کا بھی، چلانے والے کا بھی، مسافروں کا بھی سب کا تہس نہس

ہو جاویگا۔ تو اس مثال میں گویا تین حالتیں ہوئیں ایک تو یہ کہ بھاپ نہیں ہے لیکن لین پر ہے اس صورت میں رفتار ضرور آہستہ ہوگی لیکن خیر کوئی خطرہ بھی نہیں۔ دوسری حالت یہ ہے کہ بھاپ تو اس میں ہے لیکن لین پر نہیں ہے یہ بس قیامت کا سامنا ہے اور ایک حالت نورٌ علیٰ نور وہ یہ ہے کہ بھاپ بھی ہو اور لین پر بھی ہو سبحان اللہ یہ ہے البتہ لطف،

تو اے صاحبو! جس نے اپنی ریل میں بھاپ تو پیدا کر لی لیکن اسکو لین پر سے اُتار دیا واللہ وہ نہایت خطرناک حالت میں ہے اور وہ بھاپ کیا ہے وہ بھاپ ہے محبّت جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور لین کیا ہے لین ہے صراط مستقیم شریعت کی یعنی جس نے محبت تو پیدا کر لی لیکن اعمال شریعت کو رخصت کر دیا وہ قطع طریق تو کیا کرتا اور اُلٹا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت باطنی میں ڈال دیا اور جس نے محبت تو پیدا نہیں کی لیکن عمل شریعت پر کرتا رہا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بلا بھاپ کی ریل کہ ٹھیل رہے ہیں اول تو رفتار نہایت سُست پھر جہاں ٹھیلنا چھوڑ دیا بس رک گئی اس لئے یہ بھی کچھ نہیں۔

اے صاحب! عمل کو اور محبت کو دونوں کو جمع کر لو یہ البتہ ہوگی وہ ریل جس میں بھاپ بھی ہے پہیئے بھی ہیں اور لین پر بھی ہے۔ پھر دیکھو کیسی جلدی مُسافت قطع ہوتی ہے۔ تو میں نے ریل کی مثال میں جو یہ کہا تھا کہ بھاپ اصل چیز ہے اس کے یہ معنی نہ تھے کہ پہیوں کی ضرورت نہیں رہی اسی طرح محبت کو جو میں نے کہا ہے کہ اصل چیز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط محبّت کافی ہے عمل کی حاجت نہیں بلکہ بھاپ کے اصل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہیوں کی تیزی کا ذریعہ یہی ہے بغیر اسکے

رفتار میں تیزی ممکن ہی نہیں لیکن اگر سرے سے پہیئے ہی ندارد ہوں تو نری بھاپ کیا کر سکتی ہے سوائے اس کے کہ دبیں کے دہی سی سی بھک بھک ہوتی رہے اسی لئے جس میں محض جوش وخروش ہے اس میں سوائے اس کے کہ حق حق اور اِلَّا اللہ اِلَّا اللہ کے نعرے لگا لئے اور بھی کچھ ہے نفع کیا اس سے غل شور تو بہت مگر ہیں وہیں جہاں پہلے تھے تو نفع کیا اس جوش خروش سے یہ جوش وخروش تو ایسا ہی ہے جیسا اس ریل کا جس کے انجن میں آگ بھی دہک رہی ہے بھاپ بھی بھری ہوئی ہے مگر کسر ہے تو کیا کہ پہیئے ٹوٹ گئے ہیں تو وہ بیچاری سوائے اس کے کہ کھڑی دھواں دیئے جاوے اور "ٹیں ٹاں ٹیں ٹاں" کئے جاوے اور کیا کر سکتی ہے۔ جہاں صبح تھیں حضرت وہیں شام اور جو گاڑی بھاپ کی چلی جا رہی ہے اس میں غل شور تو بہت نہیں مگر راستہ آناً فاناً قطع ہو رہا ہے۔ کاش جس گاڑی میں بھاپ تھی پہیئے بھی درست ہوتے اور لین پر بھی ہوتی تب لطف تھا کہ ایک ساتھ کلکتہ جا کر دم لیتی اور اور اب تو نری بھاپ بالکل بیکار ہے۔ تو محبت کو جو میں نے اصل کہا ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ اعمال کی تکمیل کا بلکہ خود اعمال کا بھی ذریعہ ہے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ بدون محبت کے اعمال کا صدور بھی ممکن نہیں حتیٰ کہ محبت ضعیف یعنی محبت کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں۔ اور یہ مسلم مسئلہ فلسفہ کا ہے کہ بلا ارادہ کے کوئی عمل وجود میں آ ہی نہیں سکتا ہر عمل کے لئے صدور سے قبل ارادہ کا متعلق ہونا شرط ہے تو محبت کا ادنیٰ درجہ ارادہ ہوا مثلاً ہم نے جب چاہا اور ارادہ کیا تو محبت ضعیف متحقق ہو گئی کیونکہ چاہنے ہی کو تو محبت کہتے ہیں گو تڑپ نہ ہو یہ تو ادنیٰ درجہ کی محبت ہوئی جس کے بدون ادنیٰ درجہ کا عمل بھی صادر نہیں ہو سکتا۔ اور اعلیٰ

درجہ کی محبت یہ ہے کہ ؎

تو در و گم شو وصال این ست و بس　　گم شدن گم کن کمال این ست و بس

ترجمہ: تو اس میں فنا ہو جا یہی وصال کافی ہے ــــ اپنا گم ہو جانا بھول جا انتہائی کمال یہ ہے

ہائے کیا اچھا مضمون ہے ؎

تو در و گم شو وصال ایں ست و بس　　گم شدن گم کن کمال ایں ست و بس

گویا فنا کا درجہ جس کو کہتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ ہے محبت کا یعنی تمام تعلقات غیر اللہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ کوئی نہ معبود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اور نہ مقصود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○

(ترجمہ:۔ تو نیک کام کرتا رہ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کر)

کا اور نہ سالک کے نظر میں موجود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط

(سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز ذات پروردگار کے) کا جب اسم فاعل کو معنی حال پر محمول کیا جاوے کما ہو احد الوجوہ فی التفسیر پس اوّل ادنیٰ درجہ کی محبت پیدا ہوئی اس سے عمل ادنیٰ درجہ کا ہوتا ہے پھر اس عمل کی برکت سے محبت کا اس سے قوی درجہ پیدا ہوتا ہے پھر اس سے پہلے درجہ سے قوی عمل پیدا ہوتا ہے اسی طرح سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے تو ترتیب یوں ہوئی کہ اوّل محبت ضعیف سی ہوتی ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اس سے ایک عمل پیدا ہوا اور اس کے ساتھ اور بھی مویدات کو مدد کے لئے جمع کر لیا تو اس محبت میں اب ترقی ہوئی اس عمل کی برکت سے پھر اسی محبت زائد سے جو عمل پیدا ہوا اس سے اور محبت زیادہ پیدا ہوئی کہ

اس محبت سے اور عمل پیدا ہوا پھر اس عمل کی اور برکت ہوئی پھر اس سے اور عمل پیدا ہوا خلاصہ یہ کہ دونوں میں یہ ترتیب رہتی ہے کہ اول محبت ضعیف پھر عمل ضعیف پھر محبت زائدہ پھر عمل زائد پھر اور محبت زائد پھر اور عمل زائد۔ غرض ساری عمر یہ دونوں سلسلے چلتے رہتے ہیں کہ ہر عمل سے محبت اور ہر مزید محبت سے مزید عمل غرض نہ اس سے استغنا نہ اس سے ان میں سے اگر ایک چیز بھی کم ہوگئی تو بس سارا سلسلہ منقطع تو حضرت یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے کہ محبت پھر عمل پھر محبت پھر عمل وعلیٰ ہذا۔ نہ اس سے کبھی فارغ نہ اس سے کبھی مستغنی یہ ہے گویا حاصل اس طریق جامع۔ بین المحبت والعمل کا جس کو حضرت عراقی نے اپنے شعر میں طریق قلندر سے تعبیر کیا ہے۔

غرض ذہن میں یہ مضمون آیا تھا جو حضرت عراقی کے اس شعر میں مذکور ہے جس کو میں نے اس وقت بیان کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ کیا کوئی آیت بھی اس مضمون کی ہے سو الحمدللہ قرآن کی یہ آیت ذہن میں آگئی جس میں یہی مضمون موجود ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ تصوف کے اصول صحیحہ قرآن وحدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط سمجھے خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں یہ سب واہیات ہے۔ میاں بس نماز، روزہ قرآن حدیث سے ثابت اسی کو کرنا چاہئے یہ تصوف صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوف سے

خالی ہیں اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں تصوف علم باطن ہے ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن حدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن وحدیث کو جنھوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ قرآن وحدیث تو محض ظاہری انتظام کی چیزیں ہیں درویشی کا ان سے کیا علاقہ میاں درویشی تو چیز ہی اور ہے جو باطن سے تعلق رکھتی ہے۔

اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو۔ خدا سے ڈرو اس کے متعلق میری ایک مستقل کتاب بھی ہے اول تو الحمدللہ یہ بات کہ قرآن وحدیث سارا لبریز ہے تصوف سے ہر تصنیف سے ظاہر ہے۔ لیکن میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں ایک تو حقیقت الطریقت جو مدت ہوئی مکمل ہو کر شائع ہو چکی ہے جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔ اب ایک رسالہ مستقل اور بھی آج کل لکھ رہا ہوں جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن سے بھی ثابت ہیں۔ پاؤ قرآن یعنی آٹھ پارہ تو ہو گئے ہیں بائیس پارے اور باقی ہیں خدا مدد فرمائے۔ یہ رسالہ دراصل عربی میں ہے پھر خیال ہوا کہ ساتھ ساتھ اردو میں بھی ترجمہ ہوتا جائے تو اچھا ہے۔ چنانچہ ہو رہا ہے اور وہ جو رسالہ ہے حقیقت الطریقت وہ تو اصل ہی سے اردو میں ہے تو ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن وحدیث لبریز ہے تصوف سے اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن وحدیث میں نہ ہو۔ غرض جتنے صحیح اور مقصود

مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ کوئی آیت شاید
خالی ہو جس میں ایک آدھ مسئلہ تصوف کا مذکور نہ ہو چنانچہ اسی آیت کو
دیکھئے جو اس وقت تلاوت کی گئی ہے اس میں بھی تصوف موجود ہے
فرماتے ہیں[1] یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ
(الیٰ اٰخر الاٰیات) حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے دین کے محفوظ ہونے کی خبر دے
رہے ہیں۔ کوئی یہ ناز نہ کرے کہ دین کا کام ہماری وجہ سے چل رہا ہے اے ایمان
والو اگر تم میں سے کوئی نعوذ باللہ دین سے پھر جاوے تو سرکاری کام بند نہ ہوگا
جا ہے سارے ٹھیکیدار اور مزدور استعفا دیدیں جیسے دنیا میں سارے عملے
والے دفتر کا کام چھوڑ دیں تو حکام کو عین وقت پر پریشانی اور تشویش ضرور
ہوتی ہے اس واسطے کہ جب عملے والے سب مخالف ہو گئے تو اب کام کس سے
لیں اسی طرح شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ اگر نعوذ باللہ سب کے سب مسلمان مرتد
ہو جائیں تو شاید اللہ میاں کو سوچ ہو جیسے آج ہی میں ایک حکایت
بیان کر رہا تھا کہ ایک نابینا حافظ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم چار آدمی نماز
پڑھ رہے تھے تین مقتدی اور ایک امام۔ امام صاحب کا وضو لوٹا انھوں
نے مجھے خلیفہ بنایا اور خود وضو کرنے چلے گئے اب ایک امام دو مقتدی رہ
گئے۔ مقتدیوں میں سے ایک نے دوسرے سے نماز کے اندر ہی چپکے سے
پوچھا کہ ارے یہ کیا ہوا بیچارہ نے استخلاف امام کا مسئلہ کبھی سنا نہ تھا
دوسرا نصیحت کرتا ہے کہ ارے چپ رہ یوں بھی ہوا کرے ہے (ہوا کرتا ہے)
یہ بڑے بوجھ بجھکڑ تھے اب امام صاحب کی سنیئے جو خلیفہ بنائے جانے کے
لائق سمجھے گئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں ارے اب میں کسے نماز پڑھاؤں یہ دو ہی

[1] اس آیت کریمہ کا ترجمہ خطبہ ماثورہ میں گذر چکا۔

تو مقتدی تھے اور ان دونوں کی نماز بولنے سے فاسد ہوگئی غرض اس نے
بھی اپنی نماز تباہ کی تو دیکھئے ذرا سی بات میں سب کی نماز رخصت ہو گئی
یہاں نماز تو ایسی ہے کہ جب مقتدی نہ رہیں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اب
میں کسے نماز پڑھاؤں۔ اسی طرح اگر کسی بادشاہ سے ساری رعایا باغی
ہو جائے تو اب وہ کس پر سلطنت کرے یہاں کے حکام تو ایسے ہیں کہ
رعایا نے ہڑتال کر دی تو بس ان کی حکومت ندارد۔

اللہ میاں کو بھی شاید کوئی نعوذ باللہ ایسا ہی سمجھ جاتا سو اللہ میاں
فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں یہ قصہ نہیں دین سے پھر کر دیکھ لو۔ سب ایک
دم سے باغی ہو جاؤ۔ اوّل تو تمہارے پھر جانے سے ہمارا کوئی کام اٹکتا نہیں
اور واقعی اللہ میاں کا ہمارے ایمان اور نماز روزہ سے کیا نفع مگر خیر جیسا
بھی کچھ کام ہو رہا ہے گو وہ بندوں ہی کی مصلحت کے لئے ہو رہا ہے
سو اس کے متعلق بھی خداوند تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ فرماتے ہیں کہ کسی
کے مرتد ہونے سے وہ بھی نہیں رک سکتا یہی حاصل ہے اس آیت کا
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ اے ایمان والو
تم میں سے جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جاوے فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ
نزدیک ہے یعنی بہت جلد ایسی قوم کو اللہ میاں پیدا فرما دیں گے جس کی
ایسی شان ہوگی کہ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ وہ اللہ میاں کو دوست رکھیں
گے اور اللہ میاں ان کو دوست رکھیں گے۔ دیکھئے سوف کے ساتھ فرماتے
ہیں جو تقریب کے لئے آتا ہے یعنی فوراً۔ اور واقعی انھیں کیا ضرورت ہے
کسی انتظام یا اہتمام کی ایک لفظ کن سے مولوی، شیخ، غوث، ابدال،
قطب جو چاہیں بنا دیں اور جس کو چاہیں بنا دیں۔

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے حضرت غوث اعظمؒ کی ایک حکایت لکھی ہے ان کے خادم کی روایت ہے کہ ایک بار اخیر شب میں حضرت اُٹھے خادم کہتے ہیں کہ میں سمجھا نماز تہجد کی تیاری کریں گے چنانچہ میں بھی اُٹھا تاکہ حضرت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے ویسے حضرت کو اپنے اُٹھنے کی اطلاع نہ ہونے دی واقعی بزرگوں کی خدمت ہے بڑی مشکل انھوں نے جو کیا ٹھیک کیا اطلاع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کوئی احسان جتلانا تھوڑا ہی تھا۔ اب تو اگر کوئی خدمت کرتے ہیں تو جتلا کر کرتے ہیں حالانکہ ادب کی بات یہ ہے کہ خیال اور نگرانی تو رکھے مگر خواہ مخواہ جا کر مزاحمت نہ کرے اور تنہائی میں مخل نہ ہو، خصوص اخیر رات میں تو بزرگ یہ چاہتے ہیں کہ نہ کوئی وضو کے لئے پانی لا کر دے نہ استنجے کا ڈھیلا لا کر دے بلکہ اس وقت تو یہ جی چاہتا ہے کہ کوئی سامنے بھی نہ آئے اپنے ہاتھ سے سب کام کریں کیونکہ وہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے ؎

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے کہ یارے برخوردار از وصل یارے

ترجمہ:۔ کیا اچھا وقت اور کیا اچھا زمانہ ہے کہ کوئی محب اپنے محبوب کے وصال سے لطف اندوز ہو۔

بس اس وقت یہ جی چاہتا ہے کہ بالکل تنہائی کا عالم ہو بلکہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے وجود کو بھی جی چاہتا ہے کہ یہ بھی نہ رہے۔ خود اپنا وجود بھی حجاب معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت قلندرؒ جو اس موقع کے صاحبِ مزار ہیں اسی مضمون کو اپنے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم

لیجئے اپنی آنکھ پر غصہ ہے یہ کیوں دیکھتی ہے میں ہی تجھے دیکھتا اور ؎

گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

میں ہی تیرا کلام سُنتا یہ کان کیوں سُنیں۔ واقعی صاحب یہی حالت ہوتی ہے حضرت عارف شیرازیؒ بھی اس مضمون کو اس طرح فرماتے ہیں اور وہ تو قسم کھا رہے ہیں ؎

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود

کہ نظر دریغ باشد بہ چنیں لطیف روئے

ترجمہ:۔ خدا کی قسم اپنی دونوں روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ایسے حسین سے میری نظر بھی ادور ہی رہتی۔

آنکھ پر بھی رشک آتا ہے سو وہ تو وقت ہی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی مٹانے کو جی چاہتا ہے اور اگر کوئی اپنا خادم خاص بھی اس وقت پاس کھڑا ہو تو وہ بھی پسند نہیں آتا اسی واسطے مؤدب خدّام یہ کرتے ہیں کہ پاس کو تو لگے رہے لیکن اس طرح کہ اپنی موجودگی کی خبر نہ ہونے دی لیکن جب دیکھا کہ کوئی کام مخدوم کے قابو کا نہیں ہے فوراً حاضر ہو کر شریک ہو گئے اور بعد فراغت پھر غائب چنانچہ اس خادم نے بھی ایسا ہی کیا کہ خفیہ طور پر حضرت غوث پاکؒ کے پیچھے پیچھے لگا رہا اِدھر حضرت نے کچھ توجہ بھی نہیں کی کہ میرے ساتھ کوئی اور شخص تو نہیں ہے۔ غرض حضرت اُٹھ کر خانقاہ سے نکل سیدھے شہر پناہ کے پھاٹک پر پہونچے حضرت شیخ کی برکت اور کرامت سے شہر پناہ کا قفل خود بخود کھل کر گر گیا حضرت کو اڑ کھول کر شہر کے باہر ہو گئے۔ چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک بڑا بھاری شہر نظر پڑا۔ حالانکہ بغداد کے قریب کوئی اتنا بڑا شہر کہاں۔

اب خادم کو بڑی حیرت کہ یا اللہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں لیکن بولے نہیں

چپ چاپ ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ اس شہر کے اندر داخل ہو کر ایک مقام پر پہونچے۔ وہاں ایک مکان تھا اس کے اندر داخل ہوئے اس میں چند آدمیوں کا ایک مختصر سا مجمع تھا اور ایک مسند پر تکیہ لگا ہوا تھا جیسے کسی کی آمد کا انتظار رہا ہو حضرت شیخ کو دیکھتے ہی وہ لوگ تعظیم کے لئے اُٹھے اور حضرت کو مسند پر بٹھایا پھر اشاروں سے کچھ عرض معروض کی جس کو حضرت ہی سمجھے خادم کی سمجھ میں نہ آیا اس کے بعد ایک طرف سے آواز کراہنے کی آئی آہ آہ پھر تھوڑی دیر بعد وہ آواز بند ہو گئی پھر کچھ دیر بعد ایسی آواز آنے لگی جیسے پانی ڈالنے کی ہوتی ہے پھر وہ بند ہو گئی پھر تھوڑی دیر بعد ایک حجرہ کھلا اور اس کے اندر سے ایک جنازہ نکلا جس کے ہمراہ چند آدمی تھے ان میں ایک بوڑھے نورانی شکل کے بزرگ بھی تھے حضرت شیخ کے سامنے جنازہ رکھا گیا حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر وہ لوگ جنازہ کو لے گئے ادھر یہ لوگ جنھوں نے حضرت شیخ کا استقبال کیا تھا پھر آکر سب حضرت کے گرد بیٹھ گئے اور اسی طرح اشاروں میں دوبارہ پھر کچھ عرض کیا اس پر حضرت شیخ اسی وقت گردن جھکا کر مراقب ہوئے تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک زنار دار شخص عیسائی لباس پہنے ہوئے حاضر ہوا آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کا زنار توڑا اور کلمہ شریف پڑھا کر اس کو مسلمان کیا پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ یہ ہے۔ پھر حضرت اس جگہ سے اپنے مکان پر لوٹ آئے۔ خادم کو اسی ادھیڑ بن میں اور حیرت میں صبح ہو گئی کہ اے اللہ یہ کیا قصہ ہے۔ یہ حضرت کی خدمت میں کچھ سبق بھی پڑھتے تھے کیونکہ پہلے درویش اکثر عالم بھی ہوتے تھے تو چونکہ یہ خادم محض مرید نہ تھے بلکہ شاگرد بھی تھے اس لئے دل کھلا ہوا تھا کیونکہ یہ علاقہ شاگردی

استادی کا بے تکلفی کا ہوتا ہے برخلاف پیری مریدی کے تعلق کے کہ اس میں اتنی بے تکلفی نہیں ہوتی چنانچہ انھوں نے رات کے واقعہ کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا مجھے اس قدر حیرت ہے کہ میرے حواس درست نہیں۔

فرمایا کہ وہ شہر موصل تھا جو بغداد سے بہت دور ہے لیکن حق تعالیٰ نے میرے لئے اسے بالکل قریب کر دیا اور طے ارض ہو گیا اور وہ مجمع جنھوں نے میرا استقبال کیا ابدال تھے اور ان ہی میں سے ایک ابدال قریب مرگ تھے جن کے کراہنے کی آواز آرہی تھی۔ اور وہ بوڑھے نورانی شکل والے بزرگ جو جنازہ لیکر نکلے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے اس جماعت نے مجھ سے باطنی طور پر مجھکو اطلاع دے کر دریافت کیا کہ اس کی جگہ کون ابدال مقرر کیا جائے۔

میں نے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی ارشاد ہوا کہ قسطنطنیہ کے گرجا میں اس وقت ایک نصرانی صلیب کو پوج رہا ہے اس کو کر دیا جائے چونکہ کافر تو کسی عہدۂ باطنی پر ہو نہیں سکتا۔ جیسا کہ آجکل لوگ سمجھتے ہیں کہ چمار چوڑھے بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں کیا اللہ میاں کو خدمت کے لئے مسلمان نہیں ملتے جو چوڑھوں چماروں سے کام لیں۔ سبحان اللہ اچھی قدر کی ولایت کی خوب سمجھ لوکہ کافر ہرگز ولی نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کافر کو ولی کرنا بھی ہوتا ہے تو اوّل اس کو اسلام کی توفیق دی جاتی ہے چنانچہ اس نصرانی کے معاملہ میں بھی یہ ہی ہوا کہ قسطنطنیہ سے ایک دم میں زمین کی طنابیں کھینچ کر اس کو حضرت شیخ کی خدمت میں پہونچایا گیا اور حضرت شیخ کی توجہ کی برکت سے کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی وہ رتبہ

ابدالیت پر پہونچ گیا حالانکہ نہ کوئی مجاہدہ کیا نہ ریاضت اسی کو تو کہتے ہیں حضرت مسعود بک ؎

مرشد چو کامل است چلہ شد نشد نشد

لیکن یہ محض شاذ و نادر ہے کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے ورنہ چکی ہی پیسنا پڑتی ہے جو کچھ ملتا ہے چکی پیسنے سے ملتا ہے خدا کے واسطے کہیں اس شاذ و نادر ہی پر نہ بیٹھ رہنا۔ شاذ و نادر پر بیٹھے رہنا تو ایسا ہے جیسے کوئی عورت اس بنا پر بے نکاح بیٹھی رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے تو بے مرد کے اولاد ہو گئی تھی یا کوئی مرد صاحب اس بھروسہ پر کسی عورت کو نکاح کے لئے تلاش نہ کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام بدون عورت ہی پیدا ہو گئی تھیں میری پسلی سے ایک ہوا (چھوٹی ٹہ سے) نکل آئے گی یہ دونوں بالکل احمق ہیں۔ میاں خدا نے ایک دفعہ یوں بھی کر دیا کہ بلا نکاح کے عورت کو اولاد دے دی اور ایک مرتبہ یہ بھی قدرت دکھلا دی کہ مرد کی پسلی سے عورت پیدا کر دی اب یہ تو نہیں کہ روز روز ایسا ہی ہوا کرے اور لوگ اس شاذ و نادر ہی کے منتظر بیٹھے رہیں نہ عورت مرد سے نکاح کرے نہ مرد عورت کی فکر کرے آج کل یہ عجیب واہیات بات ہے کہ طالبین شاذ و نادر پر بیٹھے رہتے ہیں کہ پیر ایک نظر کر دیگا تو بیس بیڑا پار ہو جائے گا۔ اور خود کچھ کرتے کراتے نہیں کیوں جی وہ تمہارے باوا کا نوکر تو ہے نہیں۔ اگر نظر نہ کرے تو کیا کر لوگے یہ کیا بے وقوفی کی بات ہے۔ نیز اُس کے قبضہ کی بھی تو بات نہیں اگر کسی کے اختیار میں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے قلب میں ضرور اسلام ڈال دیتے بھائی بلا کام کئے بھی کہیں کامیابی ہوتی ہے اصل طریق تو یہ ہی ہے کہ ؎

کار کن کار بگذار از گفتار — کاندریں راہ کار باید کار

کام کر بیکار باتیں چھوڑ —— اس طریق اُلفت میں صرف عمل ہے

قدم باید اندر طریقت نہ دم — کہ اصلے ندارد دم بے قدم

طریقت میں عمل کرنا چاہئے نہ دعویٰ —— کیونکہ دعویٰ بغیر عمل کے بے حقیقت ہے

نری آرزوؤں اور ہوس سے کام نہیں چلتا اسی کو کہتے ہیں ؎

عرفی اگر بگریہ میسّر شدے وصال

صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

ترجمہ:۔ عرفی اگر رونے سے وصال میسر آجائے تو اس کی تمنا میں سو سال تک رو سکتا ہوں۔

تو کیا ہوتا ہے نری آرزوؤں اور تمناؤں سے، کام تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے اور کام بھی ایسا جس میں کام ہی کو ثمرہ سمجھا جاوے گو اور کوئی ثمرہ نہ ملے جب کام اور ثمرہ ایک ہی چیز ہے تو بدون کام کئے ثمرہ کا حصول چہ معنی جب کام نہیں تو ثمرہ بھی نہیں کیونکہ ثمرہ تو وہی کام تھا حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد

اے سرمد شکایت کو مختصر کر —— اور دو کاموں میں سے ایک کام کر

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد

یا قطع نظر ز یار می باید کرد

ترجمہ:۔ یا تو بدن کو دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے یا دوست سے قطع نظر کر لے۔

ثمرات میں ناکامی کی شکایت کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ میاں ان

حکایات شکایات کے دفتر کو تو طے کرو۔ زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں ہم تو ایک مختصر سی بات کہتے ہیں کہ ان دو کاموں میں سے ایک کام کو اختیار کر لو یا تو یہ کرو کہ جس بات میں محبوب حقیقی راضی ہو خواہ وہ ناکامی ہی کیوں نہ ہو اس پر راضی رہو یعنی کام ہی کو ثمرہ سمجھو کیونکہ یہ تسلیم ورضا جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ عطائے حق کو کہ توفیق عمل ہے ثمرہ سمجھے اور اگر یہ پسند نہیں اور اس سے تم خفا ہوتے ہو تو بھائی سیدھی بات یہ ہے کہ پھر اپنے لئے دوسرا خدا ڈھونڈھ لو۔ اس خدا کو چھوڑ دو یہ حضرت سرمد نے خوب دو ٹوک بات کہی واقعی یہ مجذوبوں والی ہی بات ٹھیک ہے کہ ؎

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر ز یار می باید کرد

غرض کام ہی کو مقصود سمجھ کر اس میں لگا رہے کام کر کے بھی ثمرات کا انتظار نہ کرے نہ کہ بے کام کئے ثمرات کی توقع رکھے ایں خیال ست ومحال ست وجنوں۔ بہرحال کام کرنا چاہئے کہ ثمرات بھی حسب سنتہ اللہ کام ہی سے ملتے ہیں۔ لیکن کبھی خدا تعالیٰ اپنی یہ قدرت بھی دکھلا دیتے ہیں کہ بلا اسباب بھی مقصود پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی اپنی ایسی ہی قدرت کا بیان فرماتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ یعنی تمہارے مرتد ہو جانے سے خدائی کام میں کچھ فتور واقع نہ ہوگا۔ جیسے کوئی یہ غلط قیاس کر لے کہ ساری رعایا کے باغی ہو جانے سے سلطنت کا کام تو نہیں چل سکتا تو خدا کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو وہ کسی سے مجبور نہیں ان کی ذات

قادر مطلق ہے دم میں جو چاہیں کر دیں فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ عنقریب ایک ایسی قوم پیدا کر دیں گے جس کی شان ایسی ہوگی آگے اس کی حالت کا بیان ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ الخ تو اس موقع پر جس قوم کا ذکر فرمایا ہے وہ قوم ظاہر ہے کہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوگی اس واسطے کہ مقابلہ کے موقع پر سنا رہے ہیں کہ بجائے تمہارے ان کو تیار فرما دیں گے تو لازمی طور پر وہ قوم ایسی ہونی چاہئے جو ہر طرح کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہو، تاکہ مرتد ہونے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے پھرنے ہٹنے سے کیا ہوا ہماری جگہ دوسری قوم ہم سے بھی بڑھ چڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئی تو اس قوم کا اعلیٰ درجہ کی صفات سے متصف ہونا خود سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے غرض جو صفات اس مقام پر مذکور ہوں گی وہ نہایت عظیم الشان اور قابل اعتبار ہوں گی۔ اب ان صفات کو سنئے کہ وہ کیا ہیں سب سے اوّل جو صفت بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ یعنی خدا کو ان سے محبت ہوگی اور ان کو خدا سے دیکھئے حضرت سب سے پہلے حق تعالیٰ نے یہی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگ اہل محبت ہوں گے اس تقدیم ذکر سے صفت محبت کا سب سے زیادہ مہتم بالشان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی سے میں نے استدلال کر کے یہ عرض کیا تھا کہ بس دین میں محبت ہی اساس ہے، راس ہے، جڑ ہے، اصل ہے اور بنیاد ہے جب یہ بات ہے تو اے صاحبو! آپ نے کیا کوشش کی اپنے اندر محبت پیدا کرنے کی۔

نمازی بھی ہو گئے، روزہ دار بھی ہو گئے، حاجی بھی ہو گئے مگر محبت جو اصل چیز ہے آخر اس کی بھی کوشش کی کچھ بھی نہیں۔ کوشش تو کیا اور الٹا

یہ کیا ہے کہ جو محبت والے ہیں ان پر ہنستے ہیں ان کو پاگل، مجنوں اور نہ جانے کیا کیا خطاب دے رکھے ہیں اور ان کی بھی بڑی کوتاہی ہوگی اگر وہ پاگل اور مجنوں کا لقب سن کر بُرا مانیں۔ کچھ خبر بھی ہے یہ لقب تو بہت بڑا ہے۔ ارے یہ تو ایسا لقب ہے کہ اُس کو سن کر تمہیں خدا کا شکر کرنا چاہئے نہ کہ بُرا مانو کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مخالف بھی تمہارے اعلیٰ درجہ کے محب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی شہادت دینے لگے بات یہ ہے کہ مخالف یہ لقب اُسی کو دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا محب ہو اور اس کا راز یہ ہے کہ جو شخص اعلیٰ درجہ کا محب ہوتا ہے اس کے افعال عقل معاش اور دنیوی مصلحتوں کے خلاف ہونے لگتے ہیں اور یہی تو وجہ ہے کہ جو لوگ محض عقل معاش رکھتے ہیں وہی ایسے شخص کو مجنون اور بیوقوف کہتے ہیں اور یہ لقب بہت پرانا ہے۔ چنانچہ کلام مجید اس پر شاہد ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ

ترجمہ:۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاویں گے جیسا ایمان لائے ہیں یہ بے وقوف لوگ۔

دیکھئے حضراتِ صحابہ کو جو اعلیٰ درجہ کا ایمان رکھتے تھے منافقین نے نعوذ باللہ سفہاء کا لقب دے رکھا تھا کیونکہ وہ حضرات اپنے سب اعزا واقربا کو چھوڑ کر اور مال ومتاع کو خیرباد کہہ کر ایمان لائے تھے جو بظاہر عقل معاش کے بالکل خلاف تھا اسی لئے منافقین کہتے تھے کہ ان کی عقل ماری گئی ہے کہ اپنا اتنا بڑا نقصان کر کے ایمان لائے ہیں

یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بیوقوف ایمان لے آئے ہیں تو دیکھئے ان احمقوں نے حضرات صحابہ کو بھی نعوذ باللہ بیوقوف بتایا اس زمانہ میں یہی حال ہے۔

ہمارے قصبہ میں ایک شخص نومسلم ہیں وہ پہلے بہت امیر کبیر گھرانے کے تھے جب وہ مسلمان ہوگئے تو ظاہر بات ہے کہ پھر ظالم لوگ بھلا وہ دولت وثروت ان کو کہاں دیتے بیچارے ہمارے بھائی کے یہاں دس بارہ روپیہ کے نوکر ہیں۔ یا تو خود صاحب جائداد تھے یا اب نوکری کرتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں مگر جس جگہ نوکر ہیں وہاں پر ہیں بہت عزت اور آرام کے ساتھ جس جگہ کے رہنے والے ہیں وہاں ایک مرتبہ کسی کام سے ان کا جانا ہوا وہاں ان کے عزیز قریب سب ہی ہیں مگر اب ان سے کیا علاقہ لہٰذا وہ جاکر کسی موقع پر ٹھیر گئے ان کے عزیز قریب سب ملنے آئے اور ان کی بڑی خاطر کی۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں لیٹا ہوا تھا اور وہ لوگ بھی پاس بیٹھے تھے وہ سمجھے کہ یہ سو رہا ہے لیکن میں جاگ رہا تھا۔ ایک بولا کہ ارے سُنا ہے یہ بڑے آرام میں ہے۔ ایک شیخ کے یہاں کارندہ ہے اس کی بہت بڑی حویلی ہے نوکر چاکر گائیں بھینس سبھی کچھ ہے اور یہ سب پر حکومت کرتا ہے۔ بڑی عزت ہے بڑے مزہ میں ہے۔

دوسرا بولا کہ بھائی سب کچھ سہی مگر اس نے کی بہت کھوٹی بات (یعنی بُری بات) کہ اپنے عزیز قریب بیوی بچے سب چھوڑ دیئے اور مسلمان ہوگیا۔ لیجئے یہ ان کو لقب ملا تو سمجھنے کی بات ہے کہ باپ بھائی جائداد بیوی سب کو چھوڑ دینا آسان نہیں ان کی پہلی بیوی مسلمان نہیں ہوئی وہ اب بھی موجود ہے اور اب بھی کبھی کبھی جب ساس نندوں

پریشان ہوتی ہے ان سے کہلا بھیجتی ہے کہ تم میری مدد نہیں کرتے۔ اب بھی اتنا ناز ہے۔ بہر حال انھیں بیوقوف اس بنا پر قرار دیا کہ عزیز قریب سب کو چھوڑ دیا اور ایمان کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہ کی تو صاحب یہ شان ہوتی ہے اعلیٰ درجہ کے محب کی اور یہ لقب اس کو ملتے ہیں اور لیجئے سب سے بڑھ کر عاقل سید العقلاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار نعوذ باللہ مجنون کہتے تھے چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ان کے یہ اقوال موجود ہیں اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ پارہ ۱۸ (یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں) وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۘ پارہ ۲۹ (اور کہتے ہیں کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہیں (معاذ اللہ) اور خدا تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ پارہ ۲۹ (آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں) گویا یہ احتمال بھی ہے کہ اور تو کچھ بن نہ پڑتا تھا محض جل کر یہ کہہ دیتے ہوں کوئی اور منشا نہ ہو اس قول کا مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے چنانچہ شاعر اور ساحر بھی تو کہتے تھے تو وہ لوگ یہ تینوں لقب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق کرتے تھے یعنی شاعر، ساحر اور مجنون۔ اور شاعر اور ساحر کا منشاء ہمیں معلوم ہے چنانچہ میں ابھی عرض کروں گا جب دو کا منشا معلوم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ تیسرے لقب کا منشا بھی ضرور ہوگا۔ شاعر اور ساحر کہنے کا منشا سنئے وہ ایسا ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔

معشوق من آنست کہ نزدیک تو زشت است

شاعر اور ساحر اس لئے کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں ایسا اثر تھا کہ جب کفار سنتے تھے تو ان کے خیالات میں عظیم الشان

تبدیلی واقع ہو جاتی تھی پس طرز بیان کی تاثیر کو تو شاعری اور مضمون کی تاثیر کو ساحری کہتے تھے اسی لئے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ سنیں۔ چنانچہ ڈرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ان کا کلام مت سنو لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ خبردار قرآن مت سننا بس اس کا سننا ہی غضب ہے وَالْغَوْا فِیْهِ اور اگر وہ پڑھنے ہی لگیں تو تم شور و غل مچانا گھپڑ سپڑ کرنا شروع کر دو لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ شاید اسی سے جیت جاؤ (اس طرح سے کہ وہ مجبور ہو کر خاموش ہو جائیں) یہ تہذیب تھی ماشاء اللہ۔ غرض وہ بہت ہی ڈرتے تھے کہ یہ تو شاعر اور ساحر ہیں ان کا کلام سنا نہیں اور اثر ہوا نہیں بس اسی واسطے شاعر اور ساحر کہتے تھے۔

غرض کلام کے فوت تاثیر اس کا منشا تھا۔ اسی طرح مجنون جو کہتے تھے تو اس کا ایک منشا تھا وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے مقابلہ میں ساری دنیا کی مصلحتوں کو چھوڑ دیا یعنی ان بیوقوفوں کے نزدیک نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عقل کے خلاف بات کی۔ چنانچہ سب نے مل کر ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک سفیر بھیجا جو حاضر ہو کر آپ کی خدمت میں منافع و مصالح پیش کرے اس نے آکر عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم لوگ سب آپ کو بخوشی اپنا سردار بنا لیں کیونکہ آپ نہایت شریف النسب ہیں۔ آپ جس قبیلہ میں پیدا ہوئے ہیں وہ حسب و نسب میں سب سے بڑھ کر ہے آپ کو اپنا سردار بنا لینے میں ہم کو کوئی عار نہیں۔ مگر ہمارے بتوں کو برا نہ کہئے۔ اگر آپ عورتیں چاہتے ہیں تو

قریش کی ساری لڑکیاں حاضر ہیں ایک سے ایک حسین موجود ہے جتنی چاہیں پسند کر لیجئے اپنی بہنیں اور لڑکیاں آپ کے نکاح میں دینا ہمارے لئے فخر ہے بلکہ انھیں خود آپ کی لونڈیاں بننا باعث عزت ہے۔ اور اگر مال کی خواہش ہے تو ہم ابھی ایک بڑا خزانہ آپ کے لئے فراہم کر دیں بس آپ قرار اور سکون سے بیٹھے رہئے اور ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیجئے جب سفیر یہ سب باتیں کہہ چکا تو آپ نے بجائے جواب کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ حٰم سجدہ کا شروع کا حصہ تلاوت فرمایا۔

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ الیٰ آخر الآیات

ترجمہ:۔ یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کے لئے ہے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ہے ڈرانے والا ہے سو اکثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں۔

اور اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل ساکت اور صامت تھا جیسے کہ نقش دیوار۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھتے پڑھتے یہ آیت تلاوت فرمائی فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝

ترجمہ: پھر اگر یہ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر آئی تھی۔

تو گھبرا کر کہنے لگا کہ بس کیجئے اب سننے کی تاب نہیں اس قدر اثر ہوا کہ

سنا نہیں گیا اور اٹھ کر بھاگا اور بھاگ کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا جنھوں نے اسے بھیجا تھا یعنی ابو جہل وغیرہ وہ سب منتظر بیٹھے تھے ابو جہل بڑا ذہین تھا۔ اس نے دور ہی سے دیکھ کر تاڑ لیا کہا کہ بھائی یہ گیا تو تھا اور چہرہ سے اور آرہا ہے اور چہرہ سے، ایسا شریر تھا کہ دور ہی سے پہچان گیا کہ ارے یہ تو کچھ ڈھیلے ڈھیلے گھٹنوں سے آرہا ہے اس کے چہرہ کا تو کچھ رنگ ہی بدلا ہوا ہے گیا تھا اور چہرہ سے آرہا ہے اور چہرہ سے جب پاس پہونچا تو سب نے پوچھا کہ ارے یار کہہ تو سہی کیا گذری۔

اس نے کہا اجی کیا پوچھتے ہو جب میں سب باتیں پیش کر چکا تو انھوں نے ایک ایسا کلام پڑھا کہ واللہ اگر میں وہاں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہتا تو سخت اندیشہ تھا کہ کوئی بجلی میرے اوپر آگرتی کیا پوچھتے ہو کیا کیفیت تھی اثر کی جب انھوں نے یہ کہا کہ میں تم کو ایک ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی کہ عاد اور ثمود پر گرائی گئی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بجلی گری خدا جانے کیا کلام تھا اور کس غضب کا اس میں اثر تھا واللہ اگر اور تھوڑی دیر بیٹھوں اور سنوں تو بجز اس کے کہ مسلمان ہو جاؤں اور کوئی صورت نہ تھی مشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔

تو یہ حال تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر کا چونکہ وہ لوگ رات دن دیکھتے تھے کہ یہ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں ایک جلسہ تمام قومیں کو (قوموں جمع ہے قومہ کی بمناسبت لفظ جامع ۱۲) اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ شاعر اور ساحر کہتے تھے جب اس قوم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری مل رہی ہے وہ نہیں لیتے، اونٹ مل رہے ہیں وہ نہیں لیتے، مال مل رہا ہے وہ نہیں لیتے اور حسین حسین عورتیں مل رہی ہیں وہ نہیں لیتے، وہ نامعقول سمجھے کہ بھلا یہ کونسی عقل کی

بات ہے جب دنیا کی ساری نعمتیں مل رہی ہیں تو پھر خواہ مخواہ انکار ہے
عقل کی بات تو یہ ہے کہ میاں جب اتنا چندہ اور روپے مل رہے ہیں تو لے لو
کام آویں گے! احمقوں نے اپنے اوپر قیاس کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

ایک مقام پر میری ایک انگریز سے جو کہ جنٹ تھا اس کی خواہش پر
ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے پوچھا کہ ہم نے سُنا ہے آپ نے
قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے۔ میں نے کہا ہاں صاحب لکھی ہے تو آپ کیا
کہتے ہیں آپ کو کتنا روپیہ ملا۔ میں نے دل میں کہا کہ واہ واہ بس یہ ہے
آپ کا مبلغ پرواز اور مطمح نظر۔ جب میں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ملا تو بڑے
تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی کتاب لکھی اور کچھ بھی نہ ملا تو پھر کیا فائدہ
ہوا اتنی محنت ہی پھر کیوں کی۔ اس کے نزدیک جسے روپیہ نہ ملے وہ کوئی
دین کا کام ہی نہ کرے خیر میں نے اُسی کے مذاق کے موافق اُسے سمجھایا میں نے
کہا اس سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ علاوہ اس زندگی کے ہم
مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق ایک دوسری زندگی بھی ہے جس کو ہم
لوگ آخرت کہتے ہیں۔ وہاں ایسے کاموں کا عوض ملنے کی ہمیں توقع ہے اور
دوسرا فائدہ دنیا کا بھی ہے وہ یہ کہ میں نے جو تفسیر لکھی ہے اپنے بھائی مسلمانوں
کے فائدے کے لئے لکھی ہے اور یہ ایک قومی خدمت ہے جب میں اس تفسیر
کو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے اس بات سے خوشی
ہوتی ہے کہ میری قوم کو اس سے نفع پہونچ رہا ہے چونکہ یہ تقریر اس کے
مذاق کے موافق تھی اس کو سُن کر اس کی نظر میں میری بڑی وقعت ہوئی
تو جو روپیہ پیسے اور جاہ کو مقصود سمجھے گا تو وہ ضرور ایسے شخص کو کہے گا کہ
یہ بڑا بے وقوف ہے کہ اس نے محض دین کے لئے اپنا جاہ مال سب برباد

کر دیا۔ ہمارے ایک دوست نے ناجائز ہونے کی بنا پر ڈپٹی کلکٹری چھوڑ دی
(یہ واقعہ ضابطہ وعظ کا ہے) تو اب سب لوگ انھیں لتاڑتے ہیں کہ عقل ہی ماری
گئی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے جو اس کو خلاف عقل
کہتے ہو ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد

جو لوگ جاہ اور مال ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور جنھوں نے فقط دنیا ہی کو
اپنا قبلۂ توجہ بنا رکھا ہے وہ ایسوں پر ہنستے ہیں لیکن اگر وہ ہم پر ہنستے ہیں
تو ہم ان پر ہنستے ہیں۔ فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ (ہم تم پر
ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو)۔

حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حسب ارشاد
خداوندی کشتی بنائی تو ان کی قوم ان پر ہنستی تھی۔ کوئی پوچھتا کہ کشتی کیوں
بنائی جا رہی ہے۔ آپ فرماتے ایک بڑا سخت طوفان آنے والا ہے اس
وقت یہ کام آوے گی۔ لوگ یہ سُن کر کہتے کہ قحط تو پڑ رہا ہے آپ کو
طوفان کی سوجھ رہی ہے لوگ ان پر ہنستے کہ بس نبوت تو ختم ہوئی اب
نجاری شروع کی ہے حضرت نوح علیہ السلام نہایت متانت سے
فرماتے اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ وَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝
ترجمہ: اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو سو ابھی تم کو
معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا ہی چاہتا ہے
جو اس کو رسوا کر دیگا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہونا ہے۔

تم اس وقت ہم پر ہنستے ہو ہم اُس وقت تم پر ہنسیں گے اس میں تو

دونوں برابر۔ کل فرق معلوم ہوگا کہ کس پر عذاب آتا ہے اور کون ذلیل ہوتا ہے تو وہ لوگ احمق ہوئے ہیں جو ایسوں کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔

ایک بزرگ تھے حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی قصبہ رامپور کے ایک رئیس کے بیٹے ان کے مرید ہوگئے یعنی حضرت ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں آنے جانے لگے ان کے فیض صحبت سے اُن کی حالت بدل گئی دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کی جانب رغبت پیدا ہوگئی۔ ان کے باپ کے پاس ایک دفعہ کچھ گنوار آئے اور کہنے لگے کہ تمہارے (یعنی تمہارے) بیٹے کا بڑا افسوس ہے فقیر ہوگیا۔ وہ بولے خیر بھائی۔ تو ایک گنوار کیا کہتا ہے، اجی بُری صحبت ایسی ہی ہوتی ہے (یعنی ہوتی ہے) جبھی تو بڑے بوڑھے بُری صحبت سے منع کریں ہیں (کرتے ہیں) دیکھو نہ۔ بگڑ گیا، فقیر ہوگیا۔ تو گویا بیوقوف نے دینداروں کی صحبت کو بُری صحبت سمجھا۔ استغفر اللہ۔

ان ہی حضرت حافظ صاحب کا ایک اور واقعہ ہے کوئی نوجوان شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اس کی حالت بدلنے لگی ایک بار اس کا باپ حاضر ہوکر نہایت بیبا کی سے کہنے لگا کہ جب سے میرا بیٹا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا۔ حضرت تھے بڑے جلالی فرمایا اپنے بیٹے کو ہمارے پاس نہ آنے دو۔ روک دو ہمارے پاس جو کوئی آئے گا ہم اُسے بگاڑیں ہی گے جس کو لاکھ مرتبہ غرض ہو اور بگڑنا چاہے وہ ہمارے پاس آئے ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔ ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے ہم نے تو اپنے پیر سے بگاڑنا ہی سیکھا ہے۔ اجی جو بگڑنے سے ڈرے وہ ہمارے پاس آوے ہی کیوں ایسے کے پاس جائے جسے سنوارنا آتا ہو ہمیں تو بگاڑنا ہی

آتا ہے۔ اللہ اکبر۔

ایک شخص کی جیب میں کوڑیاں تھیں اس نے ان کو نکال کر پھینک دیا اور ان کی جگہ اشرفیاں بھر لیں تو کیا وہ بیوقوف ہے وہ ہرگز بیوقوف نہیں البتہ جو لوگ اشرفیوں کی قیمت سے واقف نہیں وہ کوڑیاں پھینکتے وقت اُسے ضرور بُرا بھلا کہیں گے کہ لو جی بھری ہوئی جیب ہی خالی کردی ارے تمہیں کیا خبر اس نے کوڑیوں سے جیب خالی کرکے اشرفیوں کے لئے جگہ کی ہے اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ موجود ہے اس سے کوئی کیمیا سکھانیوالا کہے کہ مجھے ایک لاکھ روپیہ دیدو میں کیمیا بنانا سکھادوں گا اور وہ وعدہ کرنے والا نہایت معتبر ہو تو وہ فوراً لاکھ روپیہ دیدیگا۔ پھر اس نے ایک لاکھ روپیہ لے کر کیمیا سکھلادی تو اب وہ سیکھنے والا اس قدر خوش ہے کہ پھولا نہیں سماتا اسے اس کا مطلق افسوس نہیں کہ میں نے ایک لاکھ روپیہ کیوں دیدیا بلکہ وہ زبان حال سے کہتا ہے ؎

جمادے چند دادم جاں خریدم ۔ بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

مگر اُس کا پڑوسی جو کیمیا کا قائل اور فن کو جانتا نہیں وہ اسے بیوقوف بناتا ہے کہ میاں تم بھی بڑے احمق ہو ایک لاکھ روپیہ یوں ہی دیدیا اتنی بڑی رقم فضول ہی ضائع کردی۔ جب وہ کہتا ہے کہ بھائی میں نے یہ رقم ضائع نہیں کی بلکہ اس کے بدلے کیمیا بنانا سیکھ لیا ہے۔ تو کہتا ہے جاؤ میاں بیٹھو بھی۔ بیوقوف ہوئے ہو کیسی کیمیا۔ لاکھ روپیہ دیدیا ایک وہمی اور فضول سی چیز کیمیا کے لئے۔

یہ حضرت صرف لاکھ روپیہ کو رو رہے ہیں مگر وہ ایک ہی دن میں لاکھ روپیہ بنالے گا بلکہ جسے کیمیا بنانا آتا ہے وہ دل کا اس قدر غنی ہوجاتا

ہے کہ اُسے بنانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی وہ ہر وقت مطمئن ہے کہ جب چاہوں گا اور جتنا چاہوں گا لاکھ دو لاکھ روپیہ بنالوں گا تمہیں کیا خبر کہ جس نے مال اور جاہ چھوڑا ہے اُسے کیا کیمیا مل گئی ہے ؎

کیمیا ئیست عجب بندگیٔ پیر مغاں
خاک اُو گشتم و چندیں درجاتم دادند

ترجمہ:۔ مرشد کی تابعداری عجیب کیمیا ہے کہ مجھ کو اس کے پاؤں کی خاک بننے سے بڑے درجے ملے۔

دوش وقتِ سحر از غصّہ نجاتم دادند
واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

ترجمہ:۔ کل صبح کے وقت مجھ کو غصّہ سے نجات دی گویا اندھیری میں مجھ کو آب حیات بخشی۔

یہ ہے وہ کیمیا اور وہ دولت جو حاصل ہوتی ہے اور جس کے حصول کے بعد جوش میں آکر یہ کہتے ہیں ؎

دوش وقت سحر از غصّہ نجاتم دادند
واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

ترجمہ:۔ رات کے غم و غصّہ سے صبح کے وقت نجات ہوئی اور اس اندھیری رات میں مجھ کو آب حیات پلا دیا۔

دوسروں کو کیا خبر اس دولت کی اندھے مادر زاد کو کیا خبر کہ نظر کسے کہتے ہیں اور روشنی کیسی ہوتی ہے۔ عنین کیا جانے کہ نکاح میں کیا مزہ ہے اور منکوحہ کیسی قابل قدر چیز ہے اسی طرح جن کی باطنی آنکھیں پھٹ ہیں وہ باطنی دولت کی حقیقت کیا سمجھیں وہ تو ظاہری جاہ و مال چھوڑنے

والوں کو بیوقوف ہی بنا دیں گے کہ لو صاحب روپیہ پیسہ ملتا تھا نہیں لیا سرداری مل رہی تھی نہیں قبول کی۔ اب دیکھئے کہ یہ کس کی حالت تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی تو اعلیٰ درجہ کی حالت یہ ہے کہ عقلاء زمانہ بیوقوف کہا کریں اور دیوانہ سمجھا کریں یہ تو بڑے فخر کی بات ہے ایسی دیوانگی تو مطلوب ہے یہ دیوانگی تو وہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد   مرعسس را دید در خانہ نشد

ترجمہ:۔ جو دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے جس طرح کوئی کوتوال کو دیکھتا ہے گھر میں چلا جاتا ہے اسی طرح جب محبوب حقیقی کا عشق غالب ہوتا ہے عقل رفوچکر ہو جاتی ہے۔

اور ؎

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم   مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

ترجمہ:۔ اگر ہم قلاش و دیوانہ ہیں تو کیا بات ہے یہی بات کیا کم ہے کہ ہم محبوب حقیقی اور ان کی محبت کے متوالے ہیں۔

اور حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

ترجمہ:۔ اے دل وہ بہتر ہے کہ سرخ شراب سے تو مست رہے بغیر سونے چاندی کے خزانوں کے تو دولت مند بن جائیگا۔

؎ در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

ترجمہ:۔ لیلیٰ کی منزل میں جان کو سینکڑوں
کے لئے مجنوں بن جانا ہے۔

بلکہ اگر وہ جنون کم ہو جائے تو غم ہوتا ہے اور جب وہ پھر عود کرتا ہے تو خوش ہو کر فرماتے ہیں ؎

باز دیوانہ شدم من اے طبیب　　باز سودائی شدم من اے حبیب
(پھر اے طبیب ہم دیوانہ ہے　　اے حبیب ہم پھر سودائی ہوئے)
باز آمد آب من در جوئے من　　باز آمد یار من در کوئے من
(پھر میری آرزو پوری ہو گئی جب میرا محبوب مجھے مل گیا)

خوش ہوتے ہیں اور خدا کا شکر کرتے ہیں کہ دیوانگی پھر آگئی اور عقل کو یوں خطاب کرتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ترجمہ:۔ عقل دور اندیش کو آزما لیا جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو دیوانہ بنا لیا۔

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ترجمہ:۔ دل و دماغ کو تیز کر لینے کا نام راستہ پانا نہیں۔ اس لئے کہ فضل شاہ تو متوجہ ہی شکستہ دل پر ہوتا ہے۔

تو یہ حالت ہوتی ہے تو حالت مطلوب کیا ہوئی کہ طلب میں ایسی حالت ہو جائے کہ لوگ دیوانہ سمجھنے لگیں حدیث میں بھی تو آتا ہے حصن حصین میں ہے اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون اللہ تعالیٰ کی اتنی یاد کرو کہ لوگ تم کو پاگل کہنے لگیں اور واقعی ایسی حالت ہو جاتی ہے۔

ایک بزرگ تھے وہ خط بنوا رہے تھے مگر زبان سے ذکر اللہ جاری تھا نائی نے لبیں لیتے وقت عرض کیا کہ حضور تھوڑی سی دیر کے لئے خاموش ہو جائیں ورنہ ہونٹ کٹ جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہونٹ کٹ جائیگا تو کیا ڈر ہے پھر جوڑ جائیگا لیکن اگر اللہ کی یاد کو میں نے منقطع کر دیا۔ تو جو سانس غفلت میں گذرے گا اس کا کوئی تدارک نہیں بس میں اپنا کام کروں تم اپنا کام کرو۔ اگر ہونٹ کٹتے ہیں کٹتے ہیں چاہے سارے ہی کٹ جائیں میں ذکر کو منقطع نہ کروں گا ہائے مولانا نے بھی ایک ایسی ہی حکایت لکھی ہے ؎

زاہدے را گفت یارے در عمل　　کم گری تا چشم را ناید خلل
.....　　چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

زاہد نے کہا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ کہ آنکھیں وہ جمال دیکھیں گی یا نہ دیکھیں گی ؎

گر بہ بیند نور حق خود چہ غم است
در وصال حق دو دیدہ کے کم است

اگر ان آنکھوں سے میں نے جمال حق دیکھ لیا تو پھر ان آنکھوں کے نہ رہنے کا کیا غم۔ یہ دو آنکھیں کیا ایسی ایسی لاکھوں آنکھیں بھی ہوں تو اس جمال پر نثار ہیں ؎

ور نہ بیند نور حق را گو برو
ایں چنیں چشم شقی گو کور شو

اور اگر اس جمال کو نہ دیکھا تو ایسی کمبخت آنکھوں کا پھوٹ جانا ہی بہتر ہے وہ آنکھ ہی کیا جس کو وہ جمال نہ دکھائی دے اور وہ کان ہی کیا

جس کو وہ خطاب نہ سُنائی دے ایسی آنکھ اور ایسے کان ہی کو میں کیا کروں گا۔ حضرت، یہ لوگ آنکھ کو کان کو جان کو مال کو سب کو محبت حق میں فنا کر دیتے ہیں ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے
تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

جتنا تعلق ذات حق سے بڑھتا جاتا ہے اور سب کو فنا کرتے جاتے ہیں تو ایسوں کو لوگ بیوقوف تو بتاویں ہی گے کہیں گے اچھے متقی ہوئے ہونٹ ہی کٹا بیٹھے اور کروا للہ اللہ کوئی ان سے کہے کہ میاں تمہیں کیا ہونٹ کٹے تو ان کے کٹے تم سے تو شکایت نہیں ایک بزرگ صرف ستّو ہی گھول کر پی لیتے کہ کھانا کھانے میں دیر لگتی ہے حرج بہت ہوتا ہے۔ ستّو گھولا اور جلدی سے ایک گھونٹ پی لیا پھر اپنے اللہ کی یاد میں لگ گئے ان کی غذا تو بس یہ ہے ایسے شخص کو ظاہر ہے لوگ بیوقوف ہی کہیں گے چونکہ ہر وقت توجہ حق کی طرف رہتی ہے ایک استغراق کا سا عالم طاری رہتا ہے اور جب توجہ ہی کسی اور طرف نہیں تو بہت سی باتوں میں بھول ہو جاتی ہے محبوب حقیقی کے سوا انھیں اور کچھ یاد ہی نہیں رہتا (بقول احقر جامع ۱۲) ؎

گم گشتۂ حیرت کوئی مجھ سا بھی نہیں ہے
میں خود ہوں کہیں دل ہے کہیں ہوش کہیں ہے

؎ ہمیشہ رہتا ہوں اک بیخودی کے عالم میں
جہاں نہ میرے لئے ہے نہ میں جہاں کے لئے

تو ایسے شخص کو اہل دنیا پاگل نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے خود سُنا ہے مولانا علاوہ زبردست عالم ہونے کے بڑے

درویش اور صاحب باطن شیخ تھے فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ خط لکھ کر آخر میں دستخط کرنا چاہے تو اپنا نام ہی بھول گیا بہت یاد کیا مگر یاد ہی نہ آیا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے استغراق کا کہ اپنا نام ہی یاد نہ رہا۔ ایسا حیرت ناک واقعہ ہے کہ اگر میں نے خود حضرت سے نہ سُنا ہوتا تو باور آنا بھی مشکل تھا۔

حضرات صحابہ میں بھی اس رنگ کے ایک بزرگ گذرے ہیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن آپ کی صاحبزادی صاحبہ بھی ساتھ جا رہی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ لڑکی آپ کی ہے تو آپ بہت غور سے اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔

میں نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ کی زیارت کی ان کا بھی یہی رنگ تھا۔ ایک بار مولانا کے پوتے کی شادی کا ہنگامہ تھا۔ مجمع کو دیکھ کر پوچھا کہ ارے بھائی یہ لوگ کیوں جمع ہیں عرض کر دیا گیا کہ حضرت کے پوتے کا نکاح ہے۔ فرمایا اچھا ان کا نکاح ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر فرماتے ہیں ارے بھائی یہ لوگ کیوں جمع ہیں۔ پھر عرض کر دیا گیا کہ پوتے صاحب کا نکاح ہے۔ فرمانے لگے ہاں میاں ہاں ابھی تو تم نے کہا تھا کہ نکاح ہے ہم بھول ہی گئے۔ تمہارا کیا قصور ہے ہماری ہی یاد خراب ہے۔ یاد ہی نہیں رہتا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہی سوال کیا کہ میاں یہ کیا ہو رہا ہے یہ لوگ کس لئے جمع ہوئے ہیں۔ پھر کہہ دیا گیا کہ حضرت نکاح ہے۔ فرمایا ارے بھائی ہم تو بھول بھول جاتے ہیں

کیا کریں۔ اب ہم پوچھیں بھی تو مت بتلانا کوئی کہاں تک بتائے۔ اجی ہوگا۔ ہمیں پوچھنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قدر استغراق تھا کہ ہمیشہ تو نماز جماعت سے جامع مسجد میں پڑھتے تھے لیکن راستہ عمر بھر بھی یاد نہ ہوا یہ کیفیت تھی استغراق کی کہ حضرت کے ایک خادم تھے بختیار۔ وہ آگے آگے چلتے اور حق حق کہتے جاتے بس اس آواز پر چلتے جاتے اور مسجد تک پہونچ جاتے۔ کیا ٹھکانا ہے استغراق کا کہ تیس برس تک ایک ہی مسجد میں نماز پڑھی مگر راستہ ہی یاد نہ ہوا اس قدر تو استغراق تھا مگر اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ کسی ادنیٰ سنت کو بھی کبھی ترک نہیں کیا غرض تیس برس تک نماز باجماعت جامع مسجد میں ادا کی لیکن پھر بھی راستہ یاد نہ ہوا وجہ یہ کہ ایک دل میں دو چیزیں نہیں سما سکتیں اہل اللہ کے قلب میں ایک ایسی چیز بن گئی ہے کہ کسی دوسری چیز کی اس میں گنجائش ہی نہیں رہی حضرت ایسوں کو عقلاء مجنون نہ کہیں تو کیا کہیں جنھیں نہ راستہ یاد نہ اولاد یاد نہ خادم یاد عقلاء تو ایسوں کے بارے میں یہی کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دماغ میں خلل ہے۔ ارے نادانو تمہارے ہی دماغ میں خلل ہے جو چیز ان کے اندر ہے اگر تمہارے اندر ہو تو کلیجہ پھٹ جائے (بقول احقر جامع ؎

درد یہ اور کو ملتا تو وہ مر ہی جاتا
کر کے نالے بھی مجھے ناز شکیبائی ہے)

یہ ان کے دماغ ہی کی تو صحت و قوت ہے اس قدر ضبط ہے چنانچہ حضرت مخدوم عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس قدر مغلوب الحال

ہونے کے فرماتے ہیں۔ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بہ فریاد آمد اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نزنند۔ ہم کو تو نقل کرتے بھی جھجک ہوتی ہے لیکن ان کو حق حاصل ہے فرماتے ہیں۔ منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں شور مچانے لگا یہاں مرد ہیں کہ سمندر کے سمندر چڑھا جائیں اور ڈکار نہ لیں (بقول جامع)

کر چکے رندی بس اے مجذوب تم ایک چلو میں یہ حالت ہوگئی

تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر ایک ایسی چیز تھی جس کو منصور بھی ضبط نہ کر سکے جب منصور سے وہ چیز ضبط نہ ہو سکی تو اوروں سے کیا ہو سکتی ہے ایسی چیز جس کے اندر ہو کیا اسے جامع مسجد کا راستہ یاد رہ سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی استقامت ایسی تھی کہ نماز تو نماز جماعت بھی کبھی نہ چھوٹی یہ تھا اتباع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس اتباع ہی کی برکت سے اس درجہ تک پہونچے اور یہ رتبہ پایا اور اتباع میں ایسی برکت ہونے کا ایک راز ہے جس کے متعلق پہلے ایک حکایت سن لیجئے۔ قنوج میں ایک وکیل ہیں شیخ محمد عالم وہ خود مجھ سے اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی اور بستی میں جا رہا تھا راستہ میں ایک مکان کی دہلیز میں سے ایک بڑی بی کی آواز آئی۔ انہوں نے مجھ کو بلا کر بڑی محبت سے میرے سر پر اور میری کمر پر ہاتھ پھیرا اور پیار کیا اور بٹھلا کر میرے لئے حلوہ تیار کیا اور کہا کہ اگر کبھی تمہارا آنا ہوا کرے تو میرے پاس ہو کر جایا کرو مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس بڑھیا سے نہ میری جان نہ پہچان یہ کیوں ایسی محبت سے پیش آ رہی ہے آخر میں نے پوچھا بڑی بی تم میری کیوں اتنی خاطر کر رہی ہو اس نے ایک

ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ تمہاری شکل کا ایک میرا بیٹا ہے وہ بہت دن سے پردیس میں ہے اس کی ایسی ہی شکل ہے جیسی تمہاری تمہیں دیکھ کر مجھے وہ یاد آگیا اور اس کی سی شکل ہونے کی وجہ سے مجھے تم سے محبت ہوگئی تم میرے بیٹے کی شکل ہو اس لئے تم پر پیار آگیا۔ یہ ایک مثال ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے محبوب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو آپ کی سی ہیئت بناتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کو محبت اور پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم شکل ہے۔ یہ راز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا اور یہ ایسا طریق ہے وصول کا جو سب سے زیادہ نزدیک ہے اس کو جو اختیار کرے گا وہ بہت جلد پہونچے گا اور وہ بہت جلد کامیاب ہوگا ورنہ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کرنے والا آدمی کبھی منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا)

بپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفیٰؐ

(سعدی یہ مت خیال کر کہ سیدھا راستہ بغیر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طے ہو سکتا ہے)

بدون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے کچھ نہیں ہو سکتا خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کہہ دیجئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو۔ خدا کو تم سے محبت ہو جائے گی۔ ظاہری نسق کلام کا یہ مقتضا تھا کہ یوں فرماتے کہ تم کو خدا سے محبت ہو جائے گی یوں

نہیں فرمایا گویا اس طرف اشارہ ہے کہ تم تو کیا خدا سے محبت کرتے تمہارا تو کیا منہ ہے ہاں خدا ہی کو تم سے محبت ہو جائے گی اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو گے۔ اللہ اکبر ہم اگر چاہتے اور کوشش کرتے کہ ہم سے خدا کو محبت ہو جائے تو قیامت تک بھی یہ دولت نصیب نہ ہو پاتی کیونکہ کہاں ممکن کہاں واجب چہ نسبت خاک را با عالم پاک لیکن اتنا بڑا رتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہو جاتا ہے تو صاحبو بڑی چیز یہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ حضرت شیخ عبد الحق ردولویؒ کو بھی اتنا بڑا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اتباع سے حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ آپ سے کبھی کوئی سنت ترک نہ ہوتی تھی مگر استغراق اتنا رہتا تھا کہ تیس برس تک جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے آتے رہے لیکن راستہ یاد نہ ہوا تو ایسا استغراق تھا۔ ایک دن ردولی سے باہر دور ایک ندی کے کنارے جا رہے تھے یہ جگہ بہت پسند آئی فرمایا کہ یہ تو بڑے لطف کی جگہ ہے اب یہیں رہا کریں گے بختیار خادم تھے عاشق عرض کیا بہت بہتر اور دونوں وہیں رہنے لگے بہت زمانہ کے بعد ایک دن کچھ افاقہ ہوا تو دفعتاً دریا پر نظر پڑی خادم سے فرمایا کہ ارے میاں ردولی میں تو پہلے کوئی دریا نہ تھا اب یہاں دریا بھی بہنے لگا۔ سیر و تفریح کی جگہ ہوگئی خادم نے عرض کیا کہ حضرت یہ ردولی کہاں ہے یہ تو فلانے مقام کا دریا ہے ردولی سے آئے ہوئے تو حضور کو بہت دن ہو گئے تب فرمایا کہ اگر یہ ردولی نہیں ہے تو چلو بھائی یہاں سے گھر سے بے گھر ہونا ٹھیک نہیں لیجئے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ ردولی ہے یا کوئی اور مقام ایسے شخص کو عقلاء زمانہ لیکن جہلاء آخرت کیا پاگل نہ کہیں گے

مگر مقبول ہے یہ لقب اور مطلوب ہے یہ حالت اس واسطے کہ
قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی
یہی کہا گیا ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اور اولیاء اللہ کو بھی یہ ہی کہا
گیا چنانچہ ارشاد ہے وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا
فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط کفار اہل ایمان کو ذلیل سمجھ کر اُن پر ہنستے ہیں
اور اُن کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں لیکن ایمان والوں کو اس سے دلگیر نہ ہونا
چاہیئے ہنسنے والے یہاں ایمان والوں پر ہنس لیں اور اپنے آپ کو ان
سے بڑھا ہوا سمجھ لیں لیکن قیامت کے روز اہل تقویٰ ان سے بڑھے
ہوئے رہیں گے اور یہ گھٹے ہوئے ہوں گے۔ (بقول حضرت سعدی علیہ
الرحمۃ ؎ بسا سوار کہ آنجا پیادہ خواہد شد
بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد بود
(بہت سے سوار وہاں پیدل ہو جائیں گے اور بہت سے پیدل وہاں
سوار ہو جائیں گے)
یا بقول ملّا در رسالہ مناظرہ مسٹر و مُلّا ؎

وہاں اپنی حقیقت تجھکو دکھلاؤں گا اے مسٹر
یہاں رکھتی ہے میری کامرانی شکل حرمانی

مطلب میرا یہ ہے کہ شریعت کا اتباع کرنے والے مصالح دنیویہ کو
پیش نظر کیوں رکھتے ہیں وہ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ مصالح دینیہ و دنیویہ
دونوں کو جمع رکھیں یعنی اس معنی کر کہ دنیا بھی خوب کماؤ کھاؤ اور دین
کے بھی بھلے بنے رہو۔ اِدھر مخلوق کو بھی راضی رکھو اُدھر خدا کو بھی۔ اگر
خدا کو معبود اور مقصود سمجھتے ہو تو مخلوق کو راضی یا ناراض کرنے سے

قطع نظر کر لو۔ قصداً تو کسی سے لڑو بھڑو نہیں لیکن اس کی بھی کوشش نہ
کرو کہ مخلوق ہم سے راضی ہی رہے بس اس شان کا ہونا چاہیے مسلمان کو۔
لیکن یہ ضروری بات ہے کہ یہ شان جبھی پیدا ہو سکتی ہے جب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا پورا پورا اتباع کیا جائے گو یہ بھی ضرور ہے کہ اس حالت میں
لوگ ملامت کریں گے مگر تمہارا یہ مذہب ہونا چاہیئے ؎

نسازد عشق را کنج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت

(عشق سلامتی کے گوشہ کی موافقت نہیں کرتا۔ اس کو تو ملامت کے کوچہ
کی رسوائی اچھی معلوم ہوتی ہے)
اور خوش ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ جس میں ملامت
ہو جاتی ہے اس میں آدمی پکا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے داڑھی رکھ لی تو
داڑھی منڈانے والے اس پر ہنسیں گے کہ آیئے مولانا صاحب آیئے
حضرت قبلہ یہ ضرور ہوگا۔ اور یہ ناگوار بھی ہوگا لیکن اس کا اثر یہ ہوگا
کہ اگر کبھی جی بھی چاہے گا منڈانے کو تب بھی اس غصہ میں آکر نہ منڈائے
گا اور ان کی ضد میں داڑھی رکھنے کا اور بھی پختہ عزم کر لے گا۔ تو یہ نفع
ہے ملامت میں۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ملامت
کی ہرگز پروا نہ کرنی چاہیئے اگر لوگ تم پر ہنسیں یا طعن کریں تو دلگیر ہونے
کی کیا وجہ ہے سبحان اللہ میاں یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو وہ رتبہ
ہے جو حضرات صحابہ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ اس وقت بھی اہل
ایمان پر یوں ہی لوگ ہنسا کرتے تھے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
اتباع کرو گے لوگ ہنسیں گے ضرور لیکن اس کی کچھ پروا نہ کرو۔ اب
فرض کرو تم نے کوئی شادی کی بلا رسم تو لوگ طعنے دینا شروع کریں گے

اور سیکڑوں لتاڑیں پڑنی شروع ہوں گی کہ یہ بڑے متقی نکلے ہیں کہ باوا دادا سے بھی بڑھ گئے۔ باوا دادا سے جو رسمیں چلی آرہی تھیں سب ناجائز ہی قرار دے دیں ایسے کنجوس ہیں کہ برادری کا کھانا بھی اُڑا دیا۔ یہ سب طعن و تشنیع سُن کر بھی تم خوش رہو اور کچھ پرواہ مت کرو۔ عشق میں بھلا رسوائیوں سے بھی کوئی سلامت رہا ہے لہٰذا تم کو خوش ہونا چاہیئے اور یہ کہنا چاہیئے ؎

نسازد عشق را کنج سلامت　　　　خوشا رسوائی کوئے ملامت

(عشق سلامتی کے گوشہ کی موافقت نہیں کرتا اس کو تو ملامت کے کوچہ کی رسوائی اچھی معلوم ہوتی ہے)

اور سنو اگر لباس شرع کے موافق پہنو گے تو جنٹلمین لوگ ہنسیں گے کہ یہ کیا دقیانوسی لباس پہنا ہے اُلول جلُول کتے کی جھُول۔ چہرہ دیکھو تو وحشت برستی ہے ارے عاشقوں کے چہرہ پر تو وحشت ہی زیب دیتی ہے مانگ پٹی تو زنانوں کا شعار ہے واللہ وہ عاشق نہیں جو کوٹ بوٹ سے درست ہو۔ خدا کی قسم جن کے دلوں میں محبت گھس گئی ہے انہیں اپنے سر اور پاؤں کی بھی خبر نہیں کوٹ بوٹ تو کیا پہنتے اگر ان کے پاس پھٹی جوتی اور پھٹا لباس بھی ہوگا تو انہیں عار نہ ہوگی۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ہاں وہ عاشق نہیں جسے سر پاؤں کی خبر ہو جو عاشق ہوگا وہ تو ایسا ہی ہوگا جسے نہ سر کی خبر ہوگی نہ پاؤں کی اور واقع میں یہ نہیں کہ اسے خبر نہ ہوگی خبر تو ہوگی مگر پرواہ نہ ہوگی اور اب تو یہ حالت ہے کہ بھلا مرد تو مرد عورتوں نے باریک کپڑے پہننے شروع کر دیئے ہیں اگر کوئی اچھے کپڑے شریعت کے موافق پہنے تو کہتی ہیں کہ یہ کیا کنجڑوں اور قصائینوں کے سے کپڑے پہنے ہیں اس قدر چُست اور منڈھا ہوا لباس پہنتی ہیں کہ

بدن کی ساخت اور ساری ہیئت ہی ظاہر ہونے لگتی ہے اگر اتفاق سے غیر محرم کی نظر پڑ جائے تو کس قدر بے غیرتی ہے اور پائینچے ایسے چست کہ پنڈلی میں چٹکی لیں تو کھال بلکہ گوشت کی بوٹی تک اُکھڑ آئے پھر اوپر سے کھڑے جوتے حالانکہ حرام ہے عورتوں کے لئے مردوں سے مشابہت حدیث میں لعنت آئی ہے ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کریں اور اس قدر چست پائینچے بازار والی فاسق فاجر عورتوں کا شعار ہے اور مشابہت فساق فجار کی بھی ناجائز ہے اس کا منشاء فقط تفاخر ہے مقصود یہ ہے کہ ذرا آن بان سے رہیں خوبصورت معلوم ہوں اور کوئی یوں نہ کہے کہ یہ کیسے باؤلوں کے سے ڈھیلے پائینچے ہیں جیسے جھلی مارنی پہنے پھرتی ہے (یعنی سینگی لگانے والیاں) تو اب عورتیں بھی اس طرح سے طعن کرنے لگی ہیں۔ غرض عورتوں نے بھی اب آپس میں مردوں کا سا تفاخر کرنا شروع کر دیا ہے مینڈکی کو بھی نزکام ہوا۔ مردوں کو تو یہ مرض تھا ہی عورتوں کو بھی ہوا اور مردوں کا تفاخر تو خیر چل بھی سکتا ہے کیونکہ ایک کو دوسرے کی اندرونی حالت معلوم نہیں جیسا چاہو اپنے کو ظاہر کر سکتے ہو مگر عورتیں گھروں میں آنے جانے والیاں ایک کو دوسرے کے گھر کی ہر ایک کی حالت کی خبر ہے یہ ایک دوسرے سے کیونکر اپنا اصلی حال چھپا سکتی ہیں اس لئے مرد اگر تفاخر کرتے ہیں تو ان کی اتنی بے وقوفی نہیں کیونکہ ایک کو دوسرے کا حال معلوم نہیں کہ گھر میں چوہے قلابازی کھا رہے ہیں قلعی نہیں کھلتی بس ایک جوڑا انگریزی بنا لیا اور ہر موقع پر اچھے خاصے جنٹلمین بن گئے جو غریب ہیں انہوں نے بھی بس ایک اچکن بڑھیا بنوالی اور ہر موقع پہ وہی اچکن ڈاٹ لی اور نواب کے بچے بن

گئے حالانکہ گھر میں خاک بھی نہیں بعض لوگ انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں جانتے لیکن جنٹلمین رنگ وروغن بناتے ہیں روغن پر ایک حکایت یاد آئی کوئی ایسے ہی تھے شیخی باز۔ ظاہری وضع تو نہایت امیرانہ اور گھر میں کھانے تک کو نہیں روز گھر سے آکر اپنے دوستوں میں شیخی بگھارا کرتے کہ آج گوشت بہت مزیدار پکا تھا پلاؤ بھی اچھا تھا چاہے گھر میں دال اور خشکہ بھی میسّر نہ آیا ہو میاں فاقہ ہی سے ہوں اور ترکیب یہ کرتے کہ گھر میں جو جلنے کا چراغ تھا اس کا تیل انگلیوں اور مونچھوں کو لگا لیتے تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ واقعی نواب صاحب بہت مرغن گوشت اور پلاؤ کھا کر آرہے ہیں ایک دن عجب دل لگی ہوئی حسب دستور چراغ میں سے تیل لے کر جو مونچھوں کو چپڑنے لگے تو اتفاق سے بتی بھی مونچھوں پر لپٹ گئی اور چونکہ وہ جلتے جلتے چھوٹی سی رہ گئی تھی اس لئے ان حضرت کو وہ محسوس بھی نہ ہوئی۔ باہر آکر حسب عادت دوستوں میں ڈینگیں مارنے لگے کہ واللہ آج کا پلاؤ تو بہت ہی مزیدار تھا ایک صاحب کی نظر جو مونچھوں پر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ چراغ کی بتی لپٹی ہوئی ہے بس ساری قلعی کھل گئی کہ حضرت چراغ کا تیل مونچھوں میں لگا کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو کہ بہت مرغن کھانے کھاتے ہیں فوراً انہوں نے کہا کہ جناب بجا ہے اور دیکھئے پلاؤ کا ایک چاول بھی مونچھوں میں لپٹ آیا ہے ہاتھ پھیر کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چراغ کی بتی ہے۔ بہت ہی خفیف ہوئے تو اس شیخی بازی سے فائدہ کیا خیر یہ تو اتفاقی بات تھی کہ لوگوں کو پتہ چل گیا ورنہ مردوں کی شیخی تو کچھ چل بھی جاتی ہے کیونکہ گھر کے اندر کا حال مردوں کو کیا معلوم لیکن عورتوں کو تو ایک

دوسرے کا حال معلوم ہے کہ اتنے پانی میں ہے پھر شیخی کیسی۔ پھر بیگم صاحبہ خواہ مخواہ ہی اینٹھ مروڑ میں مری جاتی ہیں۔ پھر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر لباس قیمتی ہی پہننے کا شوق ہو پہنو تو ایک تو شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہیئے دوسرے زینت میں غلو نہ ہو بس اتنا تجمل کافی ہے کہ کوئی ذلیل نہ سمجھے کوئی باؤلا خبلا نہ کہے (یعنی پاگل) اور اصلی بات تو یہ ہے کہ نہ ذلت کی پرواہ ہو نہ بدنامی کی یہ دونوں شانیں عشق کے لوازم میں سے ہیں یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ اور لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط اسی طرف اشارہ ہے محبّین پر تو ملامت ہوتی ہے مثلاً پردہ ہی ہے، بعض عورتیں جو متشرع ہیں وہ سب نامحرموں سے پردہ کرتی ہیں حتیٰ کہ چچازاد بھائی سے بھی ان کے اوپر بڑے طعن ہوتے ہیں کہ بھلا بھائی سے بھی کہیں پردہ ہوتا ہے۔ عورتوں کے نزدیک چچا کا لڑکا ایسا ہے جیسا سگا بھائی۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سگا بھائی ہے لیکن ایسا سگا ہے جو سگ سے ماخوذ ہے اور الف جو آخر میں ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی بڑی ہانڈی کو ہنڈا کہہ دیتی ہے اسی طرح یہاں سگا کے معنے ہیں بڑا سگ ایک شہری بچہ سے کسی نے پوچھا کہ فلانا تمہارا سگا بھائی ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے سگ تو کُتّے کو کہتے ہیں۔ چھوٹا سا بچہ تھا لیکن کسی سے سُن لیا ہوگا کہ سگ کتّے کو کہتے ہیں تو کہتا ہے کہ حقیقی بھائی کہیئے سگ نہ کہیئے تو غرض یہ کہ عورتیں چچازاد بھائی کو مثل حقیقی بھائی کے سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس سے کیا پردہ عورتیں تو عورتیں ایسے پردہ سے مرد بھی خفا ہیں کسی نے ہمت کر کے اپنے قریبی نامحرم رشتہ داروں سے بھی پردہ کرنا شروع کیا تو اب چاروں طرف سے

اعتراض کی بھرمار ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میاں کچھ نہیں اب عزیزوں میں آپس میں محبت ہی نہیں رہی دوسرے صاحب بھی اینٹھ گئے کہ ان کے گھر جاویں تو کیا دیواروں سے بولیں۔ اب ہم ان کے یہاں جانا ہی بند کر دیں گے۔ سبحان اللہ کیا عزیزوں کے تعلقات اور آپس کا میل جول بے پردگی ہی پر موقوف ہے اگر یہ معنی ہیں تو یہ تو نعوذ باللہ اللہ میاں پر اعتراض ہے کہ ایسے قریبی رشتہ داروں کو بھی نامحرم قرار دے دیا استغفر اللہ مگر اسی میں بعض ایسی بھی ہمت والیاں ہیں کہ چاہے کوئی ہو وہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں آتیں چاہے کوئی بُرا مانے یا بھلا مانے اور اکثر جگہ تو پردہ کی ایسی کمی ہے کہ محرمیت نہیں کچھ نہیں دُور دُور کے رشتہ داروں کو بے تکلف گھر میں بلا لیتی ہیں اور بے محابا ان کے سامنے آجاتی ہیں یہ بالکل ناجائز ہے اور گناہ ہے مردوں کو چاہیئے کہ وہ انھیں تنبیہ کریں اور سب نامحرموں سے پردہ کرائیں۔ اگر کسی کو ناگوار ہو تو بلا سے ہو کچھ پرواہ مت کرو ہرگز ڈھیلا پن نہ برتو بلکہ مردوں کو چاہیئے کہ اگر کوئی نامحرم عورت ان سے پردہ نہ کرے تو وہ خود اس سے چھپا کریں۔

میری ایک خالہ تھیں یعنی میرے والد صاحب کی سالی یہ دستور ہے ہی کہ عموماً سالیاں بہنوئی سے پردہ نہیں کرتیں چنانچہ وہ بھی والد صاحب کے سامنے آنے لگیں والد صاحب اگرچہ عمر میں اُن سے بہت بڑے تھے اور باپ کے برابر تھے لیکن ان کو غیرت آئی اور سامنے آنے سے منع کر دیا انھوں نے مانا نہیں اور پھر بھی سامنے آئیں گو والد صاحب دنیا دار تھے مگر غیرت دار بڑے تھے ایک بار خوب ڈانٹا کہ خبردار جو کبھی میرے سامنے آئی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ بہت بُرا مانا اور بہت روئیں کہ بھائی نے

مجھے ایسا ایسا کہا مگر پھر کبھی سامنے نہیں آئیں پردہ کرنے لگیں تو انھوں نے بُرا مانا مگر والد صاحب نے کچھ پرواہ نہ کی پردہ کرا کر چھوڑا اسی طرح تم کرو۔ اگر کوئی بُرا مانتا ہے مانا کرے کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیئے بُرا مان کر کوئی کرے گا کیا۔ اچھا تو ہے سب چھوڑ دیں کوئی اپنا نہ رہے یوں ہی تعلق خلق سے گھٹے۔ جب کوئی اپنا نہ رہے گا اور سب سے توقع منقطع ہو جائے گی تب تو سوچے گا کہ بس جی اب تو اللہ میاں ہی سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے بقول کسی کے ع

جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا

بقول جامع ؎

دشمنی خلق میری رہنما ہونے کو ہے — اب مراد دست طلب دست دعا ہونیکو ہے
بیکسی ہی سے حصول مدعا ہونیکو ہے — کوئی مت پوچھو مجھے میرا خدا ہونیکو ہے

اب سمجھے گا کہ اعزہ اقربا یار دوست یہ سب حجاب تھے اب کوئی حجاب نہ رہا۔ بقول جامع ؎

اب تو میں ہوں اور شغل یاد دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

اب خدا کے بنو جتنے تعلقات کم ہوں اتنا ہی اچھا۔ ہمارے ایک بزرگ تھے امداد علی صاحب ویسے تو ایک آزاد منش درویش تھے مگر باتیں بڑی حکمت کی فرمایا کرتے تھے کہتے تھے کہ تارک الدنیا ہونا تو بہت مشکل ہے مگر ہاں جب کسی پر میاں کا فضل ہوتا ہے تو اس کو متروک الدنیا بنا دیا جاتا ہے یعنی ایسے اسباب غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ خود دنیا اس کو چھوڑ دیتی ہے یہ صورت ہوتی ہے ترک دنیا اور ترک تعلقات کی یعنی

جب متروک الدنیا ہوگیا تو دنیا سے نفور ہو کر تارک الدنیا بھی ہو ہی گیا اور بھائی یہ تو سوچو کہ کِسے کِسے راضی کروگے راضی تو ایک ہی ہوتا ہے کئی تو راضی ہوا نہیں کرتے تو حضرت یہ کیجیے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو راضی رکھیے بہت سے آدمیوں کو کہاں تک راضی رکھیے گا ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ط ہَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ط (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضدا ضدی ہے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا ہے کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے ؎

دلا رامے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

میں کہتا ہوں کہ ایک مرد بازاری عورت کی محبّت میں اس کی رضا مندی کی خاطر اپنی آبرو جائداد خاندان کی عزّت سب برباد کر دیتا ہے کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا تو کیا خدا کی محبت اس سے بھی کم ہوگئی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولا کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

کیا عشق مولا لیلیٰ سے بھی کم ہوگیا۔ دیکھو لیلیٰ کی محبّت میں مجنوں کی کیا کیفیت تھی پھر تم تو خالقِ لیلیٰ کے مجنون ہو تمہاری تو اس سے بھی بڑھ کر حالت ہونی چاہیئے خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی ناراضی کا خیال نہ کرو۔ یہ میں نہیں کہتا کہ باؤلے بنو۔ بلکہ مستقیم رہو شریعت پر اور پختہ کار ہو جاؤ محبت میں اگرچہ سارا جہان خلاف ہو جاوے ساری دنیا لتاڑے۔ بُرا بھلا کہے ملامت کرے بقول احقر جامع ؎

تری رضا میں ہے سارا جہاں خفا ہم سے
اگر یہی ہے زیاں تب تو کچھ زیاں نہ ہوا

بلکہ ملامت سے تو عشاق خوش ہوتے ہیں اور ایک راز ہے خوش ہونے کا۔ ایک تو اس سے خوش ہوتے ہیں کہ الحمد للہ ہمیں لوگ اللہ میاں کا عاشق سمجھتے ہیں ایک یہ کہ ضد میں دین اور پختہ ہو جاتا ہے مثلاً شادی کی اور بارات میں صرف چار آدمی لے گئے۔ پھر اس پر چاروں طرف سے لتاڑ پڑنا شروع ہوا تو اس سے اور بھی چڑ پیدا ہو جائے گی اور ضد میں آکر کہے گا کہ اب کی بار اس سے بھی مختصر لو۔ اب کے تو چار آدمی بھی تھے اب کے دیکھنا انشاء اللہ جو چار آدمی بھی ہوں۔ کہو میرا کیا کرتے ہو اگر لتاڑ نہ پڑے تو اتنے پختہ نہ ہوں جتنے لتاڑ میں پختہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے لتاڑ بھی اللہ میاں کی بڑی رحمت ہے بس تو نیک کام پر اگر لتاڑ پڑے تو خدا کا شکر کرو۔ خلاصہ یہ کہ طریق محبّت ہے اصل لیکن اس کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے اس واسطے کہ اگر عمل نہ کیا تو محبت باقی نہیں رہتی بلکہ گھٹ جاتی ہے اور گھٹتے گھٹتے بالآخر بالکل ہی فنا ہو جاتی ہے (جیسے چراغ میں اگر تیل ڈالنا چھوڑ دیں تو لَو کم ہوتی چلی جائے گی اور رفتہ رفتہ چراغ گل ہو جائے گا) چنانچہ اسی طریق محبت کی طرف اشارہ ہے آیت کے اس جزو میں یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ یعنی وہ لوگ ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ محبّت کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبّت کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ اصل تو محبت ہے آگے ان کی علامت مذکور ہے کہ وہ کیسے ہیں وہ ایسے ہیں کہ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یعنی اللہ کے ماننے والوں کے سامنے تو نرم ہیں کیونکہ

جس سے محبّت ہوتی ہے اس کے متعلقین سے بھی محبت ہوتی ہے اور اللہ کے مخالفین کے سامنے سخت ہیں یعنی یہی نہیں کہ ان سے محبّت اور میل جول نہیں بلکہ ان سے اعراض ہے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ ہے محبّت کا یہی مقتضا ہے کہ محبوب کے مخالفین سے اعراض ہو۔ صاحب یہ کیسی محبّت ہے کہ محبوب کی نافرمانی کرنے والوں سے بھی محبت ہے حق سبحانہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

آپ نہ پاویں گے ان لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کے ساتھ چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا اولاد ہوں یا بھائی ہوں یا چاہے ان کا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان سب کو مخاطب کر کے صاف کہہ دیا ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

(ہزار رشتہ دار جو خدا سے بے تعلق ہوں اس ایک بیگانہ شخص پر قربان جو خدا کا دیوانہ ہے)۔

اور صاف کہہ دیا کہ سُن لو صاحب ہم میں تم میں میل نہیں ہے ہمارا تمہارا مذہبی اختلاف ہے ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں بس معاف

کرو۔ خیر اگر اتنی ہمّت نہ ہو تو کم از کم محبّت اور دوستی تو نہ ہو میل جول شادیوں میں شرکت وغیرہ یہ اور بات ہے۔ ؏

مِل گئے صاحب سلامت ہو گئی

حدیث شریف میں بھی اہل باطل کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے کا حکم ہے ارشاد ہے لَا تُصَلُّوْا عَلٰى جَنَآئِزِهِمْ وَلَا تَعُوْدُوْهُمْ یعنی اگر بیمار پڑ جائیں تو جا کر ان کی عیادت مت کرو اور اگر مر جائیں تو اُن کے جنازے کی نماز مت پڑھو اگر مخالفین حق سے قطع تعلق ہو ہی گیا ہو تو ہو جانے دو۔ آخر یہ علاقے کیا کام آئیں گے بلکہ ان علاقوں کے قطع ہو جانے پر حق سبحانہ تعالےٰ ایسی ایسی بشارتیں دے رہے ہیں فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ یعنی یہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے آگے سبحان اللہ کیا وعدہ ہے وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ یعنی خدا نے مدد دی ان کو ایک روح کے ساتھ وہ روح کیا ہے نسبت باطنی خدا کے ساتھ سے ایسی قوت قلب میں پیدا ہوتی ہے کہ اگر سارا عالم بھی مخالف ہو جائے تو بھی کچھ پرواہ نہیں ہوتی تعلق مع اللہ سے ایک نور قلب میں پیدا ہوتا ہے اس نور کو روح اس لئے کہہ دیا کہ اس سے قلب میں حیات پیدا ہوتی ہے حق تعالےٰ کے ساتھ ایسا تعلق بڑھتا ہے کہ بس یہ شان ہو جاتی ہے ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
اُمید و ہراسش نباشد ز کس — ہمیں است بنیادِ توحید و بس

موحّد کے قدموں پر سونا نچھاور کر دیا اس کے سر پہ ہندی تلوار رکھ دو

امید وخوف اس کو کسی سے نہ ہوگا بس توحید کی بنیاد یہی ہے)
اور بھی بشارت سُنئے وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ یعنی ان کو ایسی جنتوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس سے بھی بڑی نعمت یہ ہوگی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے پھر فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ یہ خدا کی جماعت ہے۔ یہ خدائی پارٹی ہے اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؐ اور سُن لو کہ خدا ہی کی پارٹی کے لوگ فلاح پانے والے ہیں تو حضرت اب کیا تو برادری اور کیا رشتہ داری دور دور کی کہتے ہیں کہ صاحب برادری کو تو چھوڑا نہیں جاتا کیا کریں۔ بہت اچھا صاحب برادری کو نہیں چھوڑا جاتا تو پھر اللہ میاں کو چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک دل میں اللہ بھی ہو اور اللہ کا مخالف بھی ہو تو حضرت نماز روزہ تو ہے مگر محبت نہیں جس کے آثار آگے مذکور ہیں۔ یہ آثار مسلمانوں میں کم ہیں اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ محبت کے آثار یہ ہیں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اللہ والوں کے ساتھ نرم ہیں اور اللہ کے مخالفوں کے ساتھ سخت ہیں ایک تو یہ آثار ہیں دوسرے آثار کیا ہیں یہ ہیں، يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بڑی محنت کے عمل کرتے ہیں۔ تو دیکھئے محبت کے آثار میں سے عمل بھی ہے اور صاحب کیوں نہ ہو۔ اگر محبت ہو تو وہ ظاہر کیوں نہ ہوگی (بقول شخصے ؎ ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو) بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر کہیں تمہارا محبوب مدتوں کے بعد ترستے ترستے تم کو مل جائے تو بھائی ایمان سے کہو

تمہارا کیا جی چاہے گا؟ کیا یہ جی نہ چاہے گا کہ اس کو فوراً سلام کریں اور دوڑ کر اس کے پاس پہونچیں اور جا کر اس سے لپٹ جائیں اور کیا مزے لے لے کر اس سے گفتگو نہ کروگے اور کیا زبان سے یہ نہ کہوگے کہ اللہ کا شکر ہے مدتوں کی آرزو پوری ہوئی اور کیا دُعائیں نہ دوگے کہ خدا عمر دراز کرے اور زیادہ ہمت ہوئی تو کیا اس کی جوتیاں بھی ہاتھ میں لے لے کر سر آنکھوں پر نہ رکھوگے اور کیا اس کے تلووں سے آنکھیں نہ ملوگے غرض کیا کیا نہیں کروگے اگر اس سے محبت ہے اور ایک عاشق ایسا ہے کہ معشوق بلا اور یہ منہ پھیر کر بیٹھ گئے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا؟ کہا تم کیا جانوں ہم اہل باطن ہیں ہمارے باطن میں محبت بھری ہوئی ہے ہمارا باطن لبریز ہے محبت سے مگر اظہار کی ضرورت نہیں بھائی دنیا میں کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو محبت ہے بلکہ ہر شخص یہ کہے گا اور بالکل سچ کہے گا کہ جھوٹا ہے مکار ہے ؎

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ ﴿ هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الزَّمَانِ بَدِیْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَّاَطَعْتَهٗ ﴿ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

ترجمہ:۔ نافرمانی کرتا ہے تو خدا کی اور ظاہر کرتا ہے اس کی محبت کو یہ قسم ہے میری جان کی کہ عجیب بات ہے اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا۔ کیونکہ محب جس سے محبت رکھتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے تو [illegible] ایسے شخص کو بھلا کوئی بھی عاشق کہے گا۔ جو کوئی سنے گا یہی کہے گا کہ واہ [illegible]حب اچھے عاشق ہیں اور اچھی محبت ہے کہ معشوق نے پکارا تھا بولے ہی نہیں۔ بلایا تھا گئے ہی نہیں یہ شخص ہرگز

عاشق نہیں جھوٹا ہے نالائق ہے خواہ مخواہ شیخی بگھارتا ہے کیا عاشق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اجی حضرت یہ تو بڑی بات ہے کہ کہنا نہ مانا۔ اہل صدق نے تو ذرا سی بات سے عاشق کو اہل وفا کے زمرہ سے خارج کر دیا ہے چنانچہ کسی ہوسناک کا شعر تھا ؎

اس کے کوچہ سے جب اُٹھ اہل وفا جاتے ہیں
تا نظر کام کرے رو بقفا جاتے ہیں

اب سُنئے ایک عاشق نے اس کا کیا خوب جواب دیا ہے ؎

اس کے کوچہ سے کب اُٹھ اہلِ وفا جاتے ہیں
وہ ہوسناک ہیں جو رو بقفا جاتے ہیں

جو عاشق ہوگا وہ کوچۂ محبوب سے اُٹھ کر ہی کیوں جائے گا۔ محبوب ہی اٹھ کر چلا جائے تو یہ دوسری بات ہے تو دیکھئے اس کو بھی خلاف محبت کہا۔ صاحب اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تو دعویٰ اور حال یہ کہ جب اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز پڑھو۔ تو آپ کہتے ہیں نہیں صاحب میں تو نہیں پڑھتا۔ جب زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں تو کہتے ہیں میں نہیں دیتا جب روزہ کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں میں نہیں رکھتا۔ اسی طرح جب خلاف شرع لباس سے شرک سے بدعت سے منع کیا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ نہیں صاحب میں تو نہیں مانتا اور کہنے کو اللہ تعالیٰ کے عاشق ہیں زبان پر ہے ہائے اللہ ہائے اللہ یہ اچھے عاشق ہیں صاحب میں کہتا ہوں کہ جیسے مخلوق کی محبت تھی کہ محبوب کو دیکھتے ہی رہ نہ سکا بدون ہاتھ پاؤں چومے بدون لپٹے بدون قدموں پر گرے بدون تلوے چاٹے تو اللہ تعالےٰ کے سامنے

جھک جانے سے گر پڑنے سے تعریف کرنے سے کیسے رہا گیا۔ اگر محبت ہوتی تو تعظیم کے کلمات بھی کیوں نہ زبان سے نکلتے جھک بھی کیوں نہ جاتا سجدہ میں بھی کیوں نہ گر پڑتا اسی کا تو نام نماز ہے تو نماز تو پڑھتے نہیں اور اللہ تعالےٰ کے عاشق ہیں اچھے عاشق ہیں۔ کوئی شعر سنا تھا یا گانا بجانا سُنا تھا اس پر کودنے لگے بس عاشق ہیں اگر یہی ہے تو پھر سانپ بھی اولیاء اللہ ہیں کیونکہ جب بین کی آواز سنتے ہیں تو وہ بھی مست ہو جاتے ہیں آدمی کیا بہت سے جانور بھی گانے بجانے پر عاشق ہیں۔ بھلا یہ کوئی محبت ہے۔ محبت تو وہ چیز ہے کہ خدا کی قسم نہ گانے کی ضرورت نہ بجانے کی ضرورت اور بے چین ہیں ؎

کسانیکہ یزداں پرستی کنند — بر آوازِ دولاب مستی کنند

(جو لوگ خدا کی پوجا کرتے ہیں وہ رہٹ کی آواز پر مستی کرتے ہیں)

بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں ان کی تو ہر وقت یہ شان ہے ؎

خوشا وقت شوریدگانِ غمش — اگر ریش بینند وگر مرہمش

(اس کے غم کے پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے اگر غم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں)

؎ دمادم شراب الم درکشند — وگر تلخ بینند دم درکشند

(ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

؎ گدایانے از بادشاہی نفور — بامیدش اندر گدائی صبور

(ایسے فقیر کہ بادشاہی سے نفرت کرنے والے اس کی اُمید پر فقیری میں قناعت کرنے والے)

حضرت ان کے سر پہ ہر وقت آرے چلتے ہیں ان کی حالت کی دوسرے کو کیا خبر کسی نے خوب کہا ہے ؎

اے تُرا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

(اے تیرے پاؤں میں تو کانٹا تک نہیں لگا تو ان شیروں کا حال کیا جانے جن پر مصیبت کی تلوار پڑی ہے)

کسی کو کچھ خبر نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہاں تو ہر وقت یہ حالت ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(مقتولانِ خنجرِ تسلیم تو ہر گھڑی یادِ خدا میں لذت محسوس کرتے ہیں)

ان کی حالت تو یہ ہے کہ ان سے ذرہ برابر نافرمانی نہیں ہوتی حضرت عشق اور محبت تو یہ ہے کہ اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں یعنی صرف عمل نہیں بلکہ سخت سے سخت محنت کے کام کرتے ہیں پھر ایسوں کو بھلا کہاں بھوک پیاس کہاں چین آرام کہاں حظوظ و لذائذ کا اہتمام کہاں مرغن کھانوں کی رغبت ہاں خدا دے تو کھا بھی لیتے ہیں مگر اہتمام نہیں نہ ان چیزوں سے ان کو دلچسپی بلکہ ان کا مذہب یہ ہوتا ہے ؎

عاقبت سازد ترا ازدیں بری ایں تن آرائی و ایں تن پروری

(تیرا بدن سجانا اور تن پروری آخر کار تجھ کو دین سے دور کر دے گا۔)

وہ تو ان سب خرافات سے یکسو ہو چکے ہیں اور ہر وقت خدا جانے

کس شغل میں ہیں (بقول احقر جامع ؎

اب تو میں ہوں اور شغل یادِ دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

چونکہ وہ اہل محبت ہیں اس واسطے سخت سے سخت کام بھی کر لیتے ہیں مشکل سے مشکل کام بھی ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ بقول احقر جامع ؎ درد دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

تو دیکھئے خود حق تعالیٰ کے ارشاد یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے معلوم ہوا کہ محب کے واسطے عمل معاف نہیں بلکہ اس پر اور زیادہ محنت پڑتی ہے۔ نیز محبت کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَآئِمٍ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ کوئی کچھ کہے پرواہ نہیں کرتے اپنے کام میں مشغول ہیں کوئی کچھ ہی کہا کرے ذرہ برابر التفات نہیں کرتے فرماتے ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اور اللہ میاں بڑی وسعت والے ہیں تو سب کو یہ نعمت عطا فرما دیں مگر وہ علیم بھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ کون دینے کے قابل ہے کون نہیں۔ جو مانگتا ہے اسی کو دیتے ہیں کسی کے سر نہیں منڈھتے یہ آیت کا ترجمہ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ کن لوگوں کی مدح ہے اور مدح کا کیا حاصل ہے۔ مدح کا حاصل یہ ہے کہ خدا سے کامل محبت رکھتے ہیں۔ خدمت اور طاعت میں پوری مشقت اٹھاتے ہیں۔ اور کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے بس اسی

شان کے شخص کو قلندر کہتے ہیں اور یہی معنی قلندر کے حضرت عراقی کے اس شعر میں ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(میرے مرشد مجھ کو تو طریق جذب کا رستہ دکھلا دے، کیونکہ محنت و ریاضت کا راستہ بہت دشوار معلوم ہوتا ہے)

تو گویا عراقی کا شعر خلاصہ ہے قرآن مجید کی آیت کا اور قرآن مجید کی آیت تفصیل ہے عراقی کے قول کی پس قلندر وہ ہے جس میں عمل اور محبت دونوں جمع ہوں اور جس کی یہ شان ہو ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا جام دوسرے ہاتھ میں عشق کا ہتوڑا۔ ہر بوالہوس جام اور سندان سے کھیلنا نہیں جانتا)

احقر جامع کا شعر ہے ؎

دیکھا نہ زمانہ میں مجذوب سا مستانہ
فرزانہ کا فرزانہ دیوانہ کا دیوانہ

اور رہ پارسائی وہ ہے جس میں نرا عمل ہو بلا محبت اب میں صرف پانچ منٹ اور بیان کروں گا پھر ختم کر دوں گا چونکہ بہت دیر ہو گئی ہے اس لئے نیت تو یہیں ختم کر دینے کی تھی لیکن اصل مقصود بیان کرنے سے باقی رہ گیا ہے یعنی رہ قلندر کی حقیقت بیان تو ہو چکی ہے مگر اس کا طریق عمل بیان کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ محض حقیقت کا معلوم

ہو جانا عمل کے لئے کافی نہیں لہٰذا رہ قلندر کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسا طریق ہے جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے۔ پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا چاہیئے سو عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمت کرو عمل ہو جائے گا پس اُس کا یہی طریق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیونکر پیدا ہو تو لیجئے میں اس کا ایک نسخہ لاکھوں روپیہ کا مفت بتائے دیتا ہوں وہ نسخہ مرکب ہے چند اجزاء سے اور وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں غور سے سنئے وہ چند چیزیں ہیں سب سے اوّل ہے عمل کیونکہ میں اوّل ہی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کر دینے کی اور اس کو بہت بڑا دخل ہے محبت پیدا کرنے میں چاہے تجربہ کر لو روز روز کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہو جاوے گی پہلے تھوڑی ہو گی پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جاوے گا کہ بہت ہی زیادہ غرض یہ مسلم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہو گا اتنی ہی زیادہ محبت ہو گی وہ جو کہتے ہیں کہ پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہے غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اس سے محبت حق پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو مدت سے نیک عمل کر رہے ہیں۔ مگر محبت پیدا نہیں ہوئی جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک یہ ہی جز تو نہیں کہ بس عمل کر لیا بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزاء سے بھی ایک جز تو عمل کرنا ہے دوسرا جز یہ ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے مثلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے نیک عمل جس طرح کیا جاتا ہے اور جو اس کا مامور بہ طریق

ہے اس طریق سے اس کو کرو۔ پھر دیکھو محبت کیسے پیدا نہیں ہوتی۔
تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا
اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ تعالےٰ کی محبت بڑھ جاوے عمل میں
یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہو جائے سو اس نیت
سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے بہرحال ایک جز تو اُس
نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیاد محبت استقامت
کے ساتھ مشغول رہو دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لو
جی لگا کر یعنی تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو تیسری بات یہ ہے کہ بہت ہی
ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے لوگ بھاگتے
ہیں۔ اوّل تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں
جا کر رہیں بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل
ہو گئے بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے ہاں تم مکبل تو
ہو گئے یعنی کمبل پوش۔ باقی نہ کامل ہوئے نہ مکمل۔ ارے بھائی موٹی
بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتیٰ کہ
اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے
نہ اٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا اندازہ
بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت
اور خط کی کشش کو دیکھے ہوئے ہرگز خوشنویس نہیں ہو سکتا غرض
بدون صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا لہٰذا پیر کامل کی
صحبت لازمی ہے پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا
ہے مگر ابتداء میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں اور آج

کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی تو
وہاں تو ہوتی ہے اصلاح پہونچتے ہی تناڑ پڑنا شروع ہو گئی تو اب یہ
حضرت گھبرائے کہ میاں کس مصیبت میں آ پھنسے ہم تو آئے تھے
بزرگ سمجھ کر انھوں نے تناڑنا ہی شروع کیا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں یہ کیسے
اللہ والے ہیں اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی معدہ کا مریض طبیب
کے پاس جا کر کہے کہ دیکھو جی ہم اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے حلوے
ہی ہمارے لئے تجویز کرنا ذرا حماقت تو دیکھئے حالانکہ خدا کے فضل سے
آپ کو دست بھی ہو رہے ہیں معدہ بھی خراب ہے۔ ہضم بھی درست
نہیں۔ یہ تو حضرت کی حالت اور حلوے کی فرمائش طبیب بھلا اس کی
رعایت کیوں کرتا۔ اس نے اس کی حالت کے مناسب کڑوا مسہل
تجویز کیا اور جب اس نے پینے سے انکار کیا اور تین پانچ کی تو گرا کر
زبردستی چمچوں کے ذریعہ سے پلا دیا لیکن اس نے قصداً قے کر کر کے
سارے پیئے ہوئے مسہل کو پیٹ سے نکال دیا آپ قے کرتے جاتے
ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں کہ واہ جی ہم تو اپنے گھر میں حلوے کھایا
کرتے تھے حکیم جی نے نہ جانے کیا الابلا پلا دی کاش کوئی خیر خواہی سے
کہتا کہ ارے بے وقوف تو کیا سمجھے۔ تجھے جو وہ اس وقت کڑوا مسہل
پلا رہا ہے تو تیرے ساتھ وہ دشمنی نہیں کر رہا ہے بلکہ دراصل وہ تجھے
حلوے کھانے کے قابل بنا رہا ہے ابھی تیرا معدہ حلوے کے قابل
نہیں ایسی ہی حالت میں حلوہ کھانے سے تو تجھے دست ہو رہے ہیں
تو حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوتی ہے مولانا نے مثنوی
میں اسی مضمون کو ایک حکایت کے ضمن میں لکھا ہے۔ حکایت یہ لکھی

ہے کہ ایک قزوینی نے ایک دلاک سے کہا کہ تم میرے شانہ پر ایک تصویر
شیر کی گود دو چنانچہ اس نے گودنا شروع کیا اور سوئی لے کر کچ سے کر دیا
قزوینی کو جو تکلیف ہوئی تو ہائے واویلا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ ارے میاں
یہ کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا کہ کر کیا رہا ہوں شیر کی شکل بنا رہا ہوں پوچھا
کس عضو سے شروع کیا ہے کون سی چیز بنا رہے ہو۔ کہا دُم کی طرف
سے شروع کیا ہے دُم بنا رہا ہوں کہا میاں اس شیر کے لئے دُم کی کیا
ضرورت ہے بے دُم ہی کا سہی۔ اجی چھوڑ دبھی اس دُم کو میرا تو اس
نے دَم ہی نکال دیا۔ پھر اس نے دوسری طرف سے شروع کیا۔ پھر کچ
سے سوئی چبھوئی پھر وہ چیخنے چلانے لگا اور پھر پوچھا کہ اب کون سا
عضو بنا رہے ہو کہا کہ اب کی دفعہ کان بنا رہا ہوں وہ بولا ارے میاں
بعضے شیر بُوچے بھی تو ہوتے ہیں کان بھی چھوڑ دو۔ بوچا ہی شیر سہی۔
پھر تیسری جگہ سوئی لگائی تو وہ پھر چلانے لگا اور پوچھنے لگا کہ بھائی اب
کیا بنا رہے ہو۔ کہا پیٹ۔ کہا میاں تم بھی عجب آدمی ہو اجی وہ سُسرا
کھائے پیئے گا تھوڑا ہی جو پیٹ بنا رہے ہو۔ یہ بھی رہنے دو۔ اب تو
دلاک کو بڑا غصہ آیا۔ سوئی اٹھا کر زمین پر پھینک دی اور جھلا کر کہا ؎

شیر بے گوش و سر و اشکم کہ دید — ایں چنیں شیرے خدا ہم نا فرید

میاں ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا جس کے نہ سر ہو نہ کان نہ پیٹ
پھر مولانا اس سے نتیجہ نکالتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

چوں نداری طاقت سوزن زدن — ایں چنیں شیرِ ژیاں پس دم مزن

تم جو شیخ کے پاس اصلاح کے لئے آئے ہو تو اس کی سختی اور لتاڑ
کو برداشت کرو اور اگر قزوینی کی طرح سوزن کی برداشت نہیں ہے

تو شیر کا نام ہی مت لو۔ اصلاح کی درخواست ہی نہ کرو بھائی وہاں تو اصلاح
اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوگی۔ پھوڑا ہے کر گئے ہو تو نشتر لگے ہی گا اب
وہاں تو نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال ؎

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق — تو بجز نامے چہ می دانی ز عشق

(تو تو عشق کے زخم سے ہی بھاگتا ہے تو نے عشق کے نام کے سوا دیکھا
ہی کیا ہے)

بس نام ہی نام ہے عشق کا ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگے وہاں کا تو ادب
یہ ہے کہ ؎ چوں گزیدی پیر نازک دل مباش
سست و ریزندہ چو آب و گل مباش

(جب تو نے پیر کا انتخاب کر لیا تو نازک دل نہ بن۔ پانی اور مٹی
کی طرح سست اور گرنے والا نہ بن)

ور بہر زخمے تو پُر کینہ شوی — پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

(اگر ہر زخم پر بغض اور کینہ دل میں رکھنے لگے گا تو تو کیسے بغیر پالش
کے آئینہ بن جائے گا)

یہ مصیبت ہوگئی ہے تو حضرت نرا وظیفہ اصلاح کے لئے ہرگز کافی
نہیں نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح
ہو اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے تو اہلِ محبت کے پاس
جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کرو تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہو
جائے گا اور خدا کی قسم اس قدر محظوظ ہوگے کہ تمہاری نظر میں پھر
سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت نہ رہے گی۔ حضرت حافظؒ
فرماتے ہیں ؎

چو بیخود گشت حافظ کے شمارد بیک جو مملکت کاؤس کے را

(جب حافظ بیخود ہو گیا۔ ایک جَو کے برابر بھی کیکاؤس کی حکومت کو کب شمار میں لا سکتا ہے)

جامع کے شعر ہیں ؎

دل ہے وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یار کے سوا
میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں

؎ کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں اے صاحب میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرلے گا۔ وہ ایسا ہو جائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہوگا نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وباء کا کوئی غم نہ رہے گا بس بالکل جنّت کی سی حالت ہو جائے گی۔ ہاں غم ہوگا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں۔ نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض بس اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہوگا مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پر نثار اس شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اس کے عوض اپنی ساری خوشیاں تمہیں دے دیں تو کبھی نہ بدلے گا تو حضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے اور ان کا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق کا یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کرکے شریعت کے پابند رہو ظاہراً و باطناً اور اللہ اللہ کرو۔ اور کبھی کبھی

اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو۔ اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ لو جی یہ چار چیزیں ہیں۔ میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ جو ان چار پر عمل کرکے دکھلاوے گا وہ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کا مصداق یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محب ہو جاوے گا۔ ضرور ہو جاوے گا۔ ضرور ہو جاوے گا۔ ضرور بالضرور ہو جاوے گا۔ لو صاحب اب اختیار ہے جو چاہے عمل کرکے دیکھ لے اور تجربہ کرلے اور اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جاوے اجی کس کی پیری مریدی لئے پھرتے ہو یہ تو پکھنڈ ہے بیعت کی صورت ضروری نہیں اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے۔ احقر جامع کا شعر ہے ؎

تین حق مرشد کے ہیں رکھ انکو یاد اعتقاد و اعتماد و انقیاد

جیسے طبیب سے رجوع کرتے وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ تحقیق نیت کرتا ہوں میں کہ آج سے بناؤں گا تم کو طبیب اپنا اللہ اکبر اسی طرح اس کی کیا ضرورت ہے کہ پیر کہے میں نے تمہیں مرید کیا اور مرید کہے میں نے تمہیں پیر بنایا اس پٹہ اور قبولیت کی ضرورت ہی کیا ہے اگر پکّے کاشتکار ہوگے اور طریقہ سے کاشتکاری کروگے تو بلا پٹہ اور قبولیت کے بھی غلہ پیدا ہوگا۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کر دو بس ہو گیا تعلق۔ واللہ وہی نفع ہوگا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو نہ کریں بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے۔ چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کر لیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے ان سے تو لوگ بہت خوش ہیں اور میں

مرید تو کرتا نہیں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیر کے وہ انچھر ہیں پریم کے وہ مریدوں ہی کو بتائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو انچھر بتا دے گا اور اللہ والے ہو جائیں گے۔ دھرے تھے انچھر دھرے تھے بھید ڈلے پتھر۔ میاں خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لو اور احکام بجا لاؤ۔ بس یہی انچھر ہیں اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو، یہی بھید ہیں اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم بآواز دہل کہیں گے کہ ہاں یہی ہے اور اس طریق میں کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئیں گے بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہوں گی یہ سب ہو گا مگر یہ مقصود نہیں ہے۔ بھائی حالات تو سڑک کے درخت ہیں پھولوں کے نظر آتے تو کیا نہ نظر آئے تو کیا سڑک تو بہرحال قطع ہو گی درختوں اور پھولوں کا نظر آنا سڑک کے قطع ہونے کے لئے ضروری نہیں نظر پڑیں گے تب قطع ہو گی نہ نظر پڑیں گے تب قطع ہو گی بس چلتے رہنا شرط ہے اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر بھی نظر نہیں آتے واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ طریق میں بس ایسے ہیں جیسے سڑک پر دو طرفہ درخت لگے ہوں گلاب اور بیلے کے کبھی نظر نیچی کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر پڑیں یا نہ پڑیں افسوس ہے تصوف کا ناس کر دیا ہے ان جاہل صوفیوں نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے کہتے ہیں چلے کھینچو بیوی کو طلاق دے دو اولاد کو عاق کر دو دروازہ کو تیغا کر دو چالیس چنے رکھ لو اور ایک چنا روز کھاؤ بدون اس کے اصل فقیری

ملتی ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں واللہ دوشالوں میں گدے تکیوں میں سلطنت میں مرغن کھانوں میں فقیری ملتی ہے مگر گھر میں نہیں شیخ کامل کی خدمت میں ملتی ہے چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جن کی شان اتنی بڑی ہے کہ مولانا روم جیسے عارف کی ان کے بارہ میں یہ رائے ہے ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(عطار نے عشق کے سات شہروں کی سیر کی ہے ہم تو ابھی (عشق کے) ایک کوچہ ہی کے پیچ و خم میں چل پھر رہے ہیں)

وہ فرماتے ہیں ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس بیا

(اے دل اگر اس محبت کے سفر کو طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو کسی رہبر کامل کے دامن کو مضبوط پکڑے چلا آ)

؎ در ارادت باش صادق اے فرید
تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید! حسن عقیدت و ارادت کا دامن (کبھی) نہیں چھوڑنا چاہیئے تاکہ تجھ کو گنج معرفت کی کنجی حاصل ہو جائے۔)

؎ بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

(بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا)۔

مگر شیخ ہونا چاہیئے کامل اور کامل شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا

پورا متبع ہو بدعت اور شرک سے محفوظ ہو کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اس علاج سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے یہ علامت ہے شیخ کامل کی ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیر اعظم ہے تو یہ ہے طریقہ محبت پیدا کرنے کا اس سے تو ہوگی محبت آگے رہا عمل تو اس کے لئے ضرورت ہوگی ہمت کی۔ اب ایک اور غلطی میں لوگ مبتلا ہیں کہ پیر بنا کر اس کو پلہ دار اور ذمہ دار اعمال کا سمجھتے ہیں اس میں ان کا قصور نہیں کیونکہ ان کو بہکایا ہے دوکانداروں نے چنانچہ ایک گاؤں میں ایک پیر صاحب آیا جایا کرتے تھے ایک بار آئے تو کچھ دُبلے ہو رہے تھے گھر پر مرغن کھانے نہ ملے ہوں گے۔ ایک چودھری نے جو مُرید تھا دیکھ کر کہا کہ اے پیر یہ کیا بات ہے توں (یعنی تو) دُبلا بہت ہو رہا ہے اب کیا تھا اُنھیں موقع مل گیا کہا چودھری جی دُبلا نہ ہوں تو کیا ہوں تمہاری طرف سے کام بھی تو مجھے بہت کرنے پڑتے ہیں تم نماز نہیں پڑھتے تمہاری طرف سے مجھے نماز پڑھنی پڑتی ہے تم روزے نہیں رکھتے تمہاری طرف سے مجھے روزے رکھنے پڑتے ہیں اور سب سے مشکل کام یہ ہے کہ تمہاری طرف سے مجھے پلصراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے بس اِسی فکر میں جان سوکھی جاتی ہے اب تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کیوں دُبلا ہو رہا ہوں ان ہی وجہوں سے دُبلا ہو گیا یہ سُن کر

چودھری کو بڑا رحم آیا کہنے لگا وَہُ وَہُ (کلمہ تاسف) ارے پیر تجھے تو بڑے کام کرنے پڑیں ہیں تیرے اوپر تو بڑی محنت پڑے ہے جا میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت دیا۔ پیر صاحب نے سوچا کہ یہ گاؤں کے لوگ ہیں ان کا کیا اعتبار ہے ابھی چل کر کھیت پر قبضہ کرنا چاہیئے ورنہ ممکن ہے بعد کو رائے بدل جائے فوراً کہا کہ چودھری جی میں نے تمہارا وہ کھیت کبھی دیکھا نہیں چل کے مجھے دکھا دو اور قبضہ کرا دو اس نے کہا چل۔ اب پیر صاحب تو آگے آگے اور مُرید صاحب پیچھے پیچھے۔ کھیتوں میں راستہ نہیں ہوتا پتلی پتلی ڈولیں ہوتی ہیں خاص طور سے مونجی اور دھان کے کھیتوں کی ڈول بہت اونچی اور پتلی ہوتی ہے اور کھیتوں میں پانی بھرا رہتا ہے۔ یہ دونوں بھی ایک پتلی سی ڈول پر چلے جا رہے تھے دفعتہً پیر صاحب کا پاؤں پھسلا اور دھڑام سے نیچے آ رہے کیونکہ پانی کی وجہ سے مٹی بھی چکنی ہو رہی تھی چودھری نے کود کر اوپر سے ایک لات رسید کی اور کہا کہ سُہرے تو تو کہے تھا کہ میں پلصراط پر چلوں ہوں جو بال سے بھی باریک ہے تو بالکل جھوٹا ہے ایک بالشت چوڑی مینڈ پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا بال سے باریک پلصراط پر تو تو ضرور چلتا ہوگا۔ جا میں کھیت نہیں دیتا میں تو پلصراط کے بدلے دوں تھا اب کیوں دوں کھیت بھی بیچارے کے ہاتھ سے گیا۔ پانی میں جُدا گرا اور اوپر سے لات پڑی سو الگ۔ تو جناب ان جاہلوں کو ایسے دوکانداروں نے یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تمہیں کچھ عمل کرنے کی ضرورت نہیں سب ہمیں کر لیں گے بس اب وہ سچے پیروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں چنانچہ میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ صاحب

تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی دُعا کر دو کہ آنکھ کھلا کرے میں لکھ دیتا ہوں کہ اچھا میں اس شرط پر دعا کروں گا کہ آپ میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میری ایسی ٹانگیں ہو جائیں کہ میں روز کلکتہ پہونچ کر اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اٹھا دیا کروں۔ بے وقوف ہوئے ہو۔ آنکھ نہیں کھلتی تو میں کیا کروں۔ میاں اُٹھو کسی طرح۔ اور اگر کسی طرح نہیں اُٹھا جاتا تو عشاء کے بعد ہی تہجد کی رکعتیں پڑھ لیا کرو غرض ہر چیز کا علاج ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ وظیفہ پورا نہیں ہوتا کوئی ایسی توجہ دیجئے کہ وظیفہ پورا ہو جایا کرے پس سارے کام توجہ ہی سے چلانا چاہتے ہو لاؤ میں توجہ کی حقیقت ظاہر کر دوں صاحبو کہیں دوسرے کی توجہ سے بھی کام چلتا ہے جب تک کہ خود توجہ نہ کرے اور ہمت سے کام نہ لے سارا کام ہمت پر موقوف ہے بے وقوف یوں سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ پیروں کے ہاتھ میں ہے۔ پیر تو بے چارے کیا چیز ہیں خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطالب کے لئے بہت چاہا کہ مسلمان ہو جائیں مگر ہدایت نہ ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو ارشاد ہوا اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں لیجئے جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنی توجہ سے ہدایت نہ کر سکے تو پیر بے چارے تو کیا کرتے دیکھا آپ نے اب تو صاحبو آپ کو توجہ کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ پھر ایک اور غضب یہ ہے کہ دین تو دین دنیا کے کام بھی پیر ہی کے سپرد کئے جاتے ہیں ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ یہاں اتنے آدمی اب تک طاعون میں مر چکے ہیں خیر جو

مر چکے وہ تو مر چکے اب جو زندہ ہیں ان کی خیریت چاہیئے ایسی دُعا کیجئے کہ وہ نہ مریں میں نے لکھا کہ حضور آپ کو تو ماشاء اللہ وہاں کی انسپکٹری مل گئی ہے جو وہاں کے انتظامات کی فکر ہے لیکن مجھے ابھی ٹھیکیداری نہیں ملی۔ تم تو انسپکٹر ہو گئے ہو مگر میں تو ٹھیکیدار نہیں ہوا۔ یہ تو ایسی درخواست ہے کہ گویا حوالات سے اتنے مجرم تو بھاگ گئے بقیہ کا میں پہرہ دوں سو مجھے اس چوکیداری سے معاف رکھئے اس قسم کی حماقتیں کرتے ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہ شرک میں مبتلا ہو گئے لوگ غرض یہاں تو جو کچھ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور تم چاہتے ہو کہ کچھ کرنا نہ پڑے۔ پیر کی توجہ ہی سے سب کام بن جائیں اور کمال حاصل ہو جائے ارے بھائی جن سے یہ درخواست ہے پہلے ان سے تو تحقیق کر لو کہ انھیں جو کمال حاصل ہوا ہے وہ کاہے سے حاصل ہوا ہے حضرت چکی پیسنے سے پہلے چکی پیسی پھر آٹا نکل آیا پھر پانی ڈال کر آٹا گوندھا پھر روٹی بنا کر توے پر ڈالی پھر وہ پک گئی پھر کھالی اب تم چاہتے ہو کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور پیٹ بھر جائے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی دو شخص ہم سفر تھے کسی مقام پر روٹی پکانے کے لئے ٹھہرے تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ آٹا تو میں لے آؤں گا لکڑی تم لے آؤ۔ اس نے کہا بھائی مجھ سے تو نہیں اٹھا جاتا میں تو بہت تھک گیا ہوں تمہیں دونوں چیزیں لے آنا۔ خیر وہ آٹا بھی لے آیا۔ لکڑی بھی لے آیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں آگ جلاؤں تم آٹا گوندھ لو۔ کہا اجی صاحب معلوم نہیں پتلا ہو جائے سخت ہو جائے پھر تم خفا ہونے لگو بس تمہیں گوندھ لو۔ بیچارے نے آٹا بھی گوندھ لیا پھر اس نے کہا تم توے پر روٹی ڈالتے جاؤ میں

سینکتا جاؤں۔ کہا میں نے بھائی کبھی روٹی پکائی نہیں کچی رہ جاوے جل جائے تمہیں اچھی پکاؤ گے خیر اس نے روٹی بھی پکالی۔ جب سب ہو ہوا چکا اور روٹی پک پکا کر تیار ہوگئی تو اس نے ساتھی سے کہا کہ آؤ روٹی تیار ہے کھالو کہنے لگا بھائی تمہارے خلاف کرتے ہوئے بہت دیر ہوگئی اب کہاں تک خلاف کروں اور کب تک انکار کرتا رہوں شرم آتی ہے اچھا لاؤ کھالوں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بس احسان جتلا کر کھانے بیٹھ گئے خیر غنیمت ہے ایک بات تو مانی۔ تو اب تم چاہتے ہو کہ ایسا پیر ملے جو کچی پکائی کھلا دے لیکن ایسا نہ ہوگا ع ایں خیال است و محالست و جنوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کچی پکائی کھلائی ہی نہیں اور کسی کی تو کیا ہستی ہے اور کیا مجال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو غایت شفقت سے بہت چاہتے تھے کہ کچی پکائی ہی کھلا دیں مگر غیرت حق اور مصلحت دین کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہ دی تو بھائی خوب سمجھ لو کہ کام کرنے ہی سے کام چلے گا بس طریق یہی ہے کہ کام کرو محنت کرو خدا برکت دے گا۔ اگر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کام کرو اور محنت کرو جیسا کہ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے میں ثابت کر چکا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ جو پیر ایسا کامل مکمل ہو اور جس میں مذکورہ علامتیں ہوں اس کی خدمت میں رجوع کرو لیکن بیعت پر اصرار نہ کرو۔ درخواست پر اگر وہ کرلے اس کی عنایت ہے باقی تم اس کو دق نہ کرو پھر جو وہ کہے کرو۔ اگر محنت کراوے محنت کرو۔ ذکر و شغل کراوے ذکر و شغل کرو۔ غرض اس کی فکر میں لگ جاؤ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت

میسر آئے اب آخر میں یہ عرض ہے کہ مقصود میں کوتاہی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں انکو چاہیئے کہ اپنے قصد کو پختہ کریں اور ہمت سے کام لیں دوسرے وہ ہیں جن میں محبت کی کمی ہے وہ اہل محبت کی صحبت اختیار کریں غرض یہ دونوں چیزیں لازم طریق ہیں ایک عمل دوسری محبت اوّل میں ہمت کی ضرورت ہے دوسرے میں اہل اللہ کی صحبت اور ان کے اتباع کی اس سے ان صفات کے جامع اور ان ثمرات کے مستحق ہو جاؤ گے جو اس وقت بہ ضمن آیت قرآن بالتفصیل بیان کئے گئے۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا میں کہہ چکا اب میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں اور اس کا نام اس کی خصوصیات کے لحاظ سے جو کہ ظاہر ہیں طریق القلندر رکھتا ہوں اس نام میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قلندر کے متعلق چونکہ عموماً لوگ بہت غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اس نام کو سن کر یا دیکھ کر بے اختیار ان کو یہ اشتیاق ہوگا کہ لاؤ دیکھیں اس وعظ میں طریق قلندر کی کیا حقیقت بیان کی گئی ہے اور جب دیکھیں گے تو ساری عمر بھر کے لئے ساری غلط فہمیوں سے محفوظ ہو جائیں گے اور حضرت حافظ کے ان اشعار کی حقیقت کی تحقیق اور حقیقت کی تصدیق ہو جاوے گی ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(یعنی جو شخص بھی چہرہ آراستہ کرے یہ لازم نہیں کہ دلبری جانتا ہو جیسے جو شخص آئینہ بناتا ہو یہ لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو)

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(اس جگہ ہزاروں باریکیاں بال سے زیادہ باریک ہیں جو شخص بھی سر

منڈائے ضروری نہیں کہ قلندری بھی جانتا ہو)۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں اور قلندر کی جو صفت اس وقت کتاب و سنّت اور اقوال مشائخ دائمہ طریق سے بیان کی گئی ہے اس کا پورا پورا مصداق بنائیں اور ہر قسم کی گمراہی اور کجی سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھیں چونکہ یہ بیان حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے قریب ہوا جس میں حضرت کا روحانی فیض شامل ہونا بھی بعید نہیں اس لئے میں اس کا ثواب حضرت کی روح مبارک کو پہونچاتا ہوں۔ (پھر سارے مجمع نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور بعد دُعا حضرت نے فرمایا کہ مصافحہ سے معافی چاہتا ہوں مجھ کو بھی تکلیف ہوگی اور سب کو تکلیف ہوگی گیارہ بج چکے ہیں رات زیادہ ہوگئی سب صاحب آرام فرمائیں) فقط۔

وعظ تمام شُد۔ اشرف علی

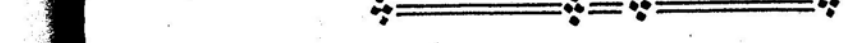

جامع وعظ ہذا احقر عزیز الحسن عرض کرتا ہے کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہ معرکۃ الآرا وعظ تقریباً چودہ برس بعد آج ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ یوم چہار شنبہ ٹھیک اذان مغرب کے وقت سہ دری حضرت حاجی صاحبؒ میں بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر صاف ہو کر قابل اشاعت ہوا اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرمائے اور میرے لئے کفارۂ سیئات و ذخیرہ آخرت کرے جو صاحب فائدہ اٹھائیں حضرت واعظ مدظلہم العالی کی طویل حیات بابیں فیوض و برکات کے لئے نیز

جامع وعظ اور ناشر وعظ کے لئے توفیق مرضیات و حُسن خاتمہ کی دُعا فرمائیں جناب مولوی حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری کے لئے بھی دعا فرمائیں جن کے مسودہ اجمالی سے مجھ کو مدد ملی اور تسوید تفصیلی میں بھی بہت سے مشکل مقامات ان سے حل ہوئے مکرمی حافظ صغیر احمد صاحب سے بھی بہت مدد ملی کیونکہ نقل و مقابلہ انھیں نے کیا اور اگر وہ رات دن محنت کر کے اس کام کو نہ کرتے تو سارے کام اتنی قلیل مدّت میں ہرگز ختم نہ ہو سکتے تھے ان کے لئے بھی دُعا کی جائے اب آخر میں یہ احقر بھی اس وعظ کی تبیض و ثواب بہ تبعیت حضرت واعظ مدفیوضہم العالی حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی روح پُر فتوح کو پہونچا کر ختم کرتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

وَالسَّلَامُ خَيْرُ الْكَلَامِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحٰتُ۔

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

مواعظِ ثلٰثہ

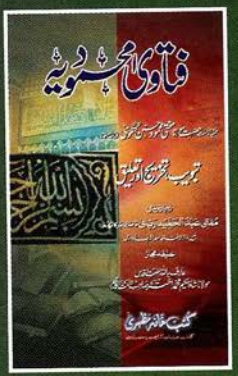

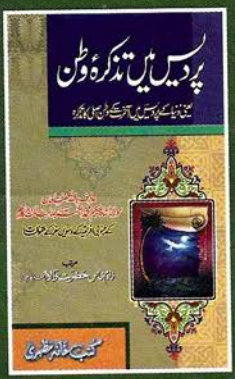

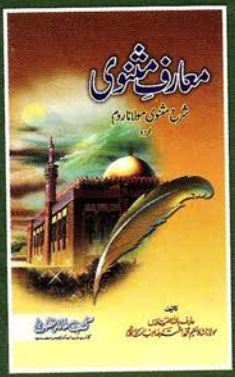

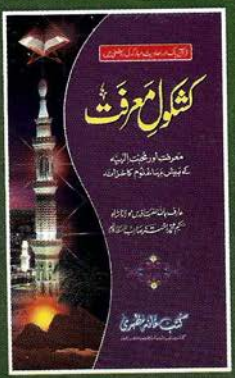

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان

COMET CREATIONS : 2767275